عمیرہ احمد

1,2

پیر کامل سے آبِ حیات تک...

"آبِ حیات" پیر کامل کا دوسرا حصہ ہے۔ وہ حصہ جسے میں 2004ء میں اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث لکھ نہیں پائی تھی اور جسے میں نے کچھ سال بعد لکھنے کا فیصلہ اس لیے بھی کیا تھا کیونکہ میں چاہتی تھی پیر کامل کی کامیابی کی گرد اور بازگشت دونوں تھم جائیں اور میں تب اس کہانی کا اگلا حصہ کسی نفسیاتی دباؤ کے بغیر لکھوں۔

سالار سکندر اور امامہ ہاشم کی زندگی کا پہلا حصہ آپ نے دس سال پہلے پڑھ لیا۔ ان کی زندگی کا دوسرا حصہ آپ اس ناول میں پڑھ سکیں گے۔ پیر کامل اور آبِ حیات ایک ہی تحریر کی دو کڑیاں ہیں اور یہ وہ تحریر ہے 'جسے میں نے داد و تحسین کے لیے نہ 2003ء میں لکھا تھا نہ ہی آج اس کی تمنا ہے۔ خواہش صرف اتنی تھی کہ کاغذ پر بے مقصد الفاظ کا ڈھیر لگاتے لگاتے کچھ ایسے لفظ بھی لکھوں، جس سے کوئی گمراہی کے راستے پر جاتے جاتے رک جائے.... نہ بھی رکے تو سوچ میں ضرور پڑے۔ خواہش کوشش آج بھی بس اتنی ہی ہے۔

پیر کامل کا دوسرا حصہ لکھنا کیوں ضروری تھا؟

اسے لکھنے کے مقاصد کیا ہیں؟

ان دو سوالوں کا جواب آپ کو "آبِ حیات" ہی دے سکتا ہے۔ اس ناول کو میں نے 2010ء میں مکمل کر لیا تھا لیکن اس کے بعد یہ کئی بار نظرِ ثانی کے مراحل سے گزرا۔ ابھی آپ کے ہاتھوں تک پہنچتے ہوئے یہ ایک بار پھر میرے قلم کی قطع و برید کا شکار ہو گا۔ کوشش ہے جوبات آپ تک پہنچے وہ غیر مبہم، سادہ اور آسان ہو۔

اس ناول کا تعارفی حصہ "تاش" آپ اس ماہ پڑھ سکیں گے۔ آبِ حیات کی کہانی تاش کے ان 13 شفلڈ (Shuffled) پتوں میں بٹی ہے یا چھپی ہے؟

کون سا پتا عروج ہے؟ کون سا زوال؟

کس پتے کو پہلے آنا چاہیے؟ کس کو بعد میں.... اور کون سا پتا ترپ کا پتا ہے....؟ جس کے مل جانے پر ہر بازی کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

ان سب سوالوں کا جواب بھی آپ کو "آبِ حیات" پڑھ کر ہی مل پائے گا۔

لفظ "آبِ حیات" جن چھ حروف سے مل کر بنتا ہے۔ ان میں سے ہر حرف انسانی زندگی کی ایک بنیادی اسٹیج کو بیان کرتا ہے۔

آ : آدم و حوا

ب : بیت العنکبوت

ح : حاصل و محصول

ی : یا مجیب السائلین

ا : ابداً ابداً

ت : تبارک الذی

یہ چھ لفظ پوری انسانی زندگی کا خلاصہ کرتے ہیں۔
سالار اور امامہ آب حیات میں وہی سفر طے کرتے ہیں جو ہم سب کی زندگی کا سفر ہے۔
آدم و حوا کا ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو کر زندگی بھر کا ساتھی بن جانا۔۔۔
دنیا میں اس جنت جیسا گھر بنانے کی خواہش اور سعی میں جت جانا جہاں سے وہ دونوں نکالے گئے تھے۔ یہ
جانتے ہوئے بھی کہ ان کا گھر بیت العنکبوت (مکڑی کا جالا) جیسی ناپائیداری رکھتا ہے۔ جو بننے میں عرصہ لیتا ہے
ٹوٹنے میں لمحہ۔۔۔
اور پھر حاصل و محصول کا چکر۔ کیا کھویا کیا پایا؟ کیا پانے کے لیے کیا کیا کھویا؟ کامیابی، خواب، خواہشات،
تکاثر کا ایک گرداب جو زندگی کو گھن چکر بنا دیتا ہے۔
اور پھر اس کے بعد اگلا مرحلہ جہاں آزمائشیں ہوتی ہیں۔۔۔ اتنی اور ایسی ایسی آزمائشیں کہ بس اللہ یاد آتا ہے،
اور وہی کام آتا ہے کیونکہ وہ مجیب السائلین ہے۔
اور پھر وہ مرحلہ جب انسان اپنی اگلی نسل کے ذریعے اپنے عروج کا دوام چاہتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ
اس زندگی کو زوال ہے۔ صرف ابدی زندگی ہے جو لافانی ہے۔۔۔
اور پھر وہ جو زندگی کے ان سارے مرحلوں میں سے نکل آتے ہیں۔ مومن بن کے انسانی پستیوں سے نکل کے۔
ان کے لیے تبارک الذی۔۔۔ اللہ کی ذات جو تمام خوبیوں کی مالک ہے۔ بزرگ و برتر ہے اور اپنے بندوں کو سب
کچھ عطا کرنے پر قادر ہے۔۔۔ جس کی محبت "آب حیات" ہے۔ جو انسان کو ابدی جنتوں میں لے جاتا ہے۔۔۔ دنیا
ختم ہوتی ہے، زندگی نہیں۔
چند الفاظ آپ سب کے لیے۔
آپ سے ملنے والی عزت اور محبت وہ بیج ہے جس سے میری ہر تحریر پھوٹتی ہے۔ آپ سب کا بہت شکریہ۔
میں آپ کی داد و ستائش کا بدلہ نہ پہلے دے سکی نہ اب دے سکتی ہوں۔
اور آخر میں ادارے کا اور خاص طور پر امتل کا شکریہ جن کی کوششوں سے اس ناول کی اشاعت خواتین
ڈائجسٹ میں سات سال کے بعد ممکن ہو رہی ہے۔

عمیرہ احمد

عمیرہ احمد

2

اس نے دور سے سالار کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں سوفٹ ڈرنک کا ایک گلاس تھا۔

"تم یہاں کیوں آ کر بیٹھ گئیں؟" امامہ کے قریب آتے ہوئے اس نے دور سے کہا۔

"ایسے ہی۔ شال لینے آئی تھی۔۔۔ پھر یہیں بیٹھ گئی۔" وہ مسکرائی۔ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے سالار نے

سوفٹ ڈرنک کا گلاس اپنی ٹانگوں کے درمیان نچلی سیڑھی پر رکھ دیا۔ امامہ لکڑی کے ستون سے ٹیک لگائے ایک گھٹنے پر کھانے کی پلیٹ ٹکائے کھاتے ہوئے دوران میں ایک کینوپی کے نیچے اسٹیج پر بیٹھے گلوکار کو دیکھ رہی تھی جو نئی غزل شروع کرنے سے پہلے سازندوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ سالار نے کانٹا اٹھا کر اس کی پلیٹ سے کباب کا ایک ٹکڑا اپنے منہ میں ڈالا۔ وہ بھی اب گلوکار کی طرف متوجہ تھا جو اپنی نئی غزل شروع کر چکا تھا۔

"انجوائے کر رہی ہو؟" سالار نے اس سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے مسکرا کر کہا وہ غزل سن رہی تھی۔

کسی کی آنکھ پرنم ہے، محبت ہو گئی ہوگی
زباں پہ قصۂ غم ہے، محبت ہو گئی ہوگی

وہ بھی غزل سننے لگا تھا۔

کبھی ہنسنا کبھی رونا، کبھی ہنس ہنس کر رو دینا
عجب دل کا یہ عالم ہے محبت ہو گئی ہوگی

"اچھا گا رہا ہے۔" امامہ نے ستائشی انداز میں کہا۔ سالار نے کچھ کہنے کے بجائے سر ہلا دیا۔

خوشی کا حد سے بڑھ جانا بھی' اب اک بے قراری ہے
نہ غم ہونا بھی اک غم ہے' محبت ہو گئی ہو گی

سالار سوفٹ ڈرنک پیتے پیتے ہنس پڑا۔ امامہ نے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ جیسے کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔
"تمہیں کچھ دینا چاہ رہا تھا میں ۔۔۔" وہ جیکٹ کی جیب میں سے کچھ ڈھونڈ کر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"بہت دنوں سے دینا چاہتا تھا لیکن ۔۔۔" وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈبیا تھی۔ امامہ کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آئی۔ "اچھا تو اسے خیال آ گیا۔" اس نے ڈبیا لیتے ہوئے سوچا اور اسے کھولا۔ وہ ساکت رہ گئی۔ اندر ایئر رنگز تھے ۔۔۔ ان ایئر رنگز سے تقریباً" ملتے جلتے۔ جو وہ اکثر اپنے کانوں میں پہنے رہتی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر سالار کو دیکھا۔
"میں جانتا ہوں یہ اتنے ویلیوایبل تو نہیں ہوں گے جتنے تمہارے فادر کے ۔۔۔ لیکن مجھے اچھا لگے گا اگر کبھی کبھار تم انہیں پہنو۔" ان ایئر رنگز کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
"تم نہیں پہننا چاہتیں تو بھی ٹھیک ہے۔ میں ریپلیس کرنے کے لیے نہیں دے رہا ہوں۔" سالار نے اس کی آنکھوں میں نمودار ہوتی نمی دیکھ کر بے ساختہ کہا۔ وہ نہیں جانتا تھا ۔۔۔ بہت ساری چیزیں پہلے ہی اپنی جگہ بدل چکی ہیں ۔۔۔ اور اپنی جگہ بنا چکی ہیں۔ اس کی خواہش اور ارادے کے نہ ہونے کے باوجود۔
کچھ کہنے کے بجائے امامہ نے اپنے دائیں کان میں لٹکتا ہوا جھمکا اتارا۔
"میں پہنا سکتا ہوں؟" سالار نے ایک ایئر رنگ نکالتے ہوئے پوچھا۔ امامہ نے سر ہلا دیا۔ سالار نے باری باری اس کے دونوں کانوں میں وہ ایئر رنگ پہنا دیے۔
وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔ وہ بہت دیر تک کچھ کہے بغیر مبہوت اسے دیکھتا رہا۔
"اچھی لگ رہی ہو۔" وہ اس کے کانوں میں لٹکتے ہلکورے کھاتے موتی کو چھوتے ہوئے مدھم آواز میں بولا۔
"تمہیں کوئی مجھ سے زیادہ محبت نہیں کر سکتا۔ مجھ سے زیادہ خیال نہیں رکھ سکتا تمہارا ۔۔۔ میرے پاس ایک واحد قیمتی چیز تم ہو۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اس سے کہہ رہا تھا ۔۔۔ وعدہ کر رہا تھا ۔۔۔ یاد دہانی کرا رہا تھا ۔۔۔ یا کچھ جتا رہا تھا ۔۔۔ وہ جھک کر اب اس کی گردن چوم رہا تھا۔
"مجھے نوازا گیا ہے۔" سیدھا ہوتے ہوئے اس نے سرشاری سے کہا۔
"رومانس ہو رہا ہے؟" اپنے عقب میں آنے والی کامران کی آواز پر وہ دونوں ٹھٹکے تھے۔ وہ شاید شارٹ کٹ کی وجہ سے برآمدے کے اس دروازے سے نکلا تھا۔
"کوشش کر رہے ہیں۔" سالار نے پلٹے بغیر کہا۔
"گڈ لک۔" وہ کہتے ہوئے ان کے پاس سے سیڑھیاں اترتا ہوا انہیں دیکھے بغیر چلا گیا۔ امامہ کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔ وہ جھینپ گئی تھی۔ سالار اور اس کی فیملی کم از کم ان معاملات میں بے حد آزاد خیال تھے۔

کسی کو سامنے پا کر' کسی کے سرخ ہونٹوں پر
انوکھا سا تبسم ہے' محبت ہو گئی ہو گی

امامہ کو لگا وہ زیرِ لب گلوکار کے ساتھ گنگنا رہا ہے۔

جہاں ویران راہیں تھیں' جہاں حیران آنکھیں تھیں
وہاں پھولوں کا موسم ہے' محبت ہو گئی ہو گی

لکڑی کی ان سیڑھیوں پر ایک دوسرے کے قریب بیٹھے وہ خاموشی کو توڑتی آس پاس کے پہاڑوں میں گونج کی طرح بکھرتی گلوکار کی سریلی آواز کو سن رہے تھے۔ زندگی کے وہ لمحے یادوں کا حصہ بن رہے تھے۔ دوبارہ نہ آنے کے لیے گزر رہے تھے۔

ان کے اپارٹمنٹ کی دیوار پر لگنے والی ان دونوں کی پہلی اکٹھی تصویر اس فارم ہاؤس کی سیڑھیوں ہی کی تھی۔ سرخ لباس میں گولڈن کڑھائی والی سیاہ پشمینہ شال اپنے بازوؤں کے گرد اوڑھے کھلے سیاہ بالوں کو کانوں کی لوؤں کے پیچھے سمیٹے خوشی اس کی مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک میں نہیں' بلکہ اس قرب میں جھلک رہی تھی جو اس کے اور سالار کے درمیان نظر آرہا تھا۔ سفید شرٹ اور سیاہ جیکٹ میں اسے اپنے ساتھ لگائے سالار کی آنکھوں کی چمک جیسے اس فوٹو گراف میں موجود دوسری ہر شے کو مات کر رہی تھی۔ کوئی بھی کیمرے کے لیے بنائے ہوئے اس ایک پوز میں نظر آنے والے جوڑے کو دیکھ کر چند لمحوں کے لیے ضرور ٹھٹکتا۔

سکندر نے اس فوٹو گراف کو فریم کروا کر انہیں ہی نہیں بھیجا تھا' انہوں نے اپنے گھر کی فیملی وال فوٹوز میں بھی اس تصویر کا اضافہ کیا تھا۔

9

وہ شخص دیوار پر لگی اس تصویر کے سامنے اب پچھلے پندرہ منٹ سے کھڑا تھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر ٹکٹکی لگائے اس لڑکی کا چہرہ دیکھتے ہوئے۔۔۔ چہرے میں کوئی شباہت تلاش کرتے ہوئے۔۔۔ اس شخص کے شجرہ میں دبے آتش فشاں کی شروعات ڈھونڈتے ہوئے۔۔۔ اگر وہ اس شخص کو نشانہ بنا سکتا تھا تو اسی ایک جگہ سے بنا سکتا تھا۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے ساتھ ساتھ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ خود کلامی۔۔۔ ایک اسکینڈل کا تانا بانا تیار کرنے کے لیے ایک کے بعد ایک مکر و فریب کا جال۔۔۔ وجوہات۔۔۔ حقائق کو مخفی کرنے۔۔۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر اپنے عقب میں بیٹھے لوگوں کو کچھ ہدایات دینے کے لیے مڑا تھا۔

سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز کے اس کمرے کی دیواروں پر لگے بورڈز چھوٹے بڑے نوٹس' چارٹس' فوٹو گرافس اور ایڈریسز کی چٹوں سے بھرے ہوئے تھے۔

کمرے میں موجود چار آدمیوں میں سے تین اس وقت بھی کمپیوٹرز پر مختلف ڈیٹا کھنگالنے میں لگے ہوئے تھے۔ یہ کام وہ پچھلے ڈیڑھ ماہ سے کر رہے تھے۔ اس کمرے میں جگہ جگہ بڑے بڑے ڈبے پڑے تھے جو مختلف فائلز' ٹیپس' میگزینز اور نیوز پیپرز کے تراشوں اور دوسرے ریکارڈ سے بھرے ہوئے تھے۔ کمرے میں موجود ریکارڈ کیبنٹس پہلے ہی بھری ہوئی تھیں۔ کمرے میں موجود تمام ڈیٹا ان کمپیوٹرز کی ہارڈ ڈسکس میں بھی محفوظ تھا۔

کمرے میں موجود دو آدمی پچھلے ڈیڑھ ماہ سے اس شخص کے بارے میں آن لائن آنے والا تمام ریکارڈ اور معلومات اکٹھی کرتے رہے تھے۔ کمرے میں موجود تیسرا آدمی اس شخص اور اس کی فیملی کے ہر فرد کی ای میلز کا ریکارڈ کھنگالتا رہا تھا۔ چوتھا شخص اس فیملی اور مالی معلومات کو چیک کرتا رہا تھا۔ اس ساری جدوجہد کا نتیجہ ان تصویروں اور شجرہ نسب کی صورت میں ان بورڈز پر موجود تھا۔

وہ چار لوگ دعوا کر سکتے تھے کہ اس شخص اور اس کی فیملی کی پوری زندگی کا ریکارڈ اگر خدا کے پاس موجود تھا تو اس کی ایک کاپی اس کمرے میں تھی۔ اس شخص کی زندگی کے بارے میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں تھی' جو ان کے علم میں نہیں تھی یا جس کے بارے میں وہ ثبوت نہیں دے سکتے تھے۔

سی آئی اے کے شدید آبریشنز سے لے کر اس کی گرل فرینڈز تک اور اس کے مالی معاملات سے لے کر اس کی

اولاد کی پرسنل اور پرائیویٹ لائف تک ان کے پاس ہر چیز کی تفصیلات تھیں۔
لیکن سارا مسئلہ یہ تھا کہ ڈیڑھ ماہ کی اس محنت اور پوری دنیا سے اکٹھے کیے ہوئے اس ڈیٹا میں سے وہ ایسی کوئی چیز نہیں نکال سکے تھے جس سے اس کی کردار کشی کر سکتے۔
وہ ٹیم جو پندرہ سال سے اسی طرح کے مقاصد پر کام کرتی رہی تھی' یہ پہلی بار تھا کہ وہ اتنی سرتوڑ محنت کے باوجود اس شخص اور اس کے گھرانے کے کسی شخص کے حوالے سے کسی قسم کا بری حرکت یا ناشائستہ عمل کی نشان دہی نہیں کرپائی تھی۔ دو سو پوائنٹس کی وہ چیک لسٹ جو انہیں دی گئی تھی' وہ دو سو کراسز سے بھری ہوئی تھی اور یہ ان سب کی زندگی میں پہلی بار ہو رہا تھا۔ انہوں نے ایسا صاف ریکارڈ کسی کا نہیں دیکھا تھا۔
کسی حد تک ستائش کے جذبات رکھنے کے باوجود وہ ایک آخری کوشش کر رہے تھے۔ ایک آخری کوشش.... کمرے کے ایک بورڈ سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے بورڈ تک جاتے جاتے وہ آدمی اس کے شجرۂ نسب کی اس تصویر پر رکا تھا۔ اس تصویر کے آگے کچھ اور تصویریں تھیں اور ان کے ساتھ کچھ بلٹ پوائنٹس.... ایک دم جیسے بجلی کا سا جھٹکا لگا تھا۔ اس نے اس لڑکی کی تصویر کے نیچے اس کی تاریخ پیدائش دیکھی' پھر مڑ کر ایک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی کو وہ سال بتاتے ہوئے کہا۔
"دیکھو! یہ اس سال کہاں تھا؟"
کمپیوٹر پر بیٹھے ہوئے آدمی نے چند منٹوں کے بعد اسکرین دیکھتے ہوئے کہا۔
"پاکستان میں۔" اس شخص کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آئی تھی۔
"کب سے کب تک؟" اس آدمی نے اگلا سوال کیا۔ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی نے تاریخیں بتائیں۔
"آخر کار ہمیں کچھ مل ہی گیا۔" اس آدمی نے بے اختیار ایک سیٹی بجاتے ہوئے کہا تھا۔ انہیں جہاز ڈبونے کے لیے تارپیڈو مل گیا تھا۔
یہ پندرہ منٹ پہلے کی روداد تھی۔ پندرہ منٹ بعد اب وہ جانتا تھا کہ اسے اس آتش فشاں کا منہ کھولنے کے لیے کیا کرنا تھا۔

ل

♠

وہ یہاں کسی جذباتی ملاقات کے لیے نہیں آئی تھی۔ سوال و جواب کے کسی لمبے چوڑے سیشن کے لیے بھی نہیں.... لعنت و ملامت کے کسی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بھی نہیں.... وہ یہاں کسی کا ضمیر جھنجھوڑنے آئی تھی' نہ ہی کسی سے نفرت کا اظہار کرنے کے لیے۔ نہ ہی وہ کسی کو یہ بتانے آئی تھی کہ وہ اذیت کے ماؤنٹ ایورسٹ پر کھڑی ہے۔ نہ ہی وہ اپنے باپ کو گریبان سے پکڑنا چاہتی تھی.... نہ اسے یہ بتانا چاہتی تھی کہ اس نے اس کی زندگی تباہ کر دی تھی.... اس کے صحت مند ذہن اور جسم کو ہمیشہ کے لیے مفلوج کر دیا تھا۔
وہ یہ سب کچھ کہتی.... یہ سب کچھ کرتی اگر اسے یقین ہوتا کہ یہ سب کرنے کے بعد اسے سکون مل جائے گا۔ اس کا باپ احساس جرم یا پچھتاوے جیسی کوئی چیز پالنے لگے گا۔
پچھلے کئی ہفتے سے وہ آبلہ پا تھی۔ وہ راتوں کو سکون آور گولیاں لیے بغیر سو نہیں پا رہی تھی اور اس سے بڑھ کر تکلیف دہ چیز یہ تھی کہ وہ سکون آور ادویات لینا نہیں چاہتی تھی.... وہ سونا نہیں چاہتی تھی.... وہ سوچنا چاہتی تھی اس بھیانک خواب کے بارے میں' جس میں وہ چند ہفتے پہلے داخل ہوئی تھی اور جس سے اب وہ ساری زندگی

نہیں نکل سکتی تھی۔
وہ یہاں آنے سے پہلے پچھلی پوری رات روتی رہی تھی۔ یہ بے بسی کی وجہ سے نہیں تھا۔ یہ اذیت کی وجہ سے بھی نہیں تھا۔ یہ اس غصے کی وجہ سے تھا جو وہ اپنے باپ کے لیے اپنے دل میں اتنے دنوں سے محسوس کر رہی تھی۔ ایک آتش فشاں تھا یا جیسے کوئی الاؤ' جو اس کو اندر سے سلگا رہا تھا' اندر سے جلا رہا تھا۔
کسی سے پوچھے' کسی کو بتائے بغیر یوں اٹھ کر وہاں آجانے کا فیصلہ جذباتی تھا' احمقانہ تھا اور غلط تھا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار ایک جذباتی' احمقانہ اور غلط فیصلہ بے حد سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ ایک اختتام چاہتی تھی وہ اپنی زندگی کے اس باب کے لیے' جس کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتی تھی اور جس کی موجودگی کا انکشاف اس کے لیے دل دہلا دینے والا تھا۔
اس کا ایک ماضی تھا۔ وہ جانتی تھی لیکن اسے کبھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے ماضی کا "ماضی" بھی ہو سکتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر تھا جب وہ "خوش" تھی اپنی زندگی میں..... جب وہ خود کو باسعادت سمجھتی تھی۔ اور "مقرب" سے "ملعون" ہونے کا فاصلہ اس نے چند سیکنڈز میں طے کیا تھا۔ چند سیکنڈز شاید زیادہ وقت تھا۔ شاید اس سے بھی بہت کم وقت تھا جس میں وہ احساس کمتری' احساس محرومی' احساس ندامت اور ذلت و بدنامی کے ایک ڈھیر میں تبدیل ہوئی تھی۔
اور یہاں وہ اس ڈھیر کو دوبارہ وہی شکل دینے آئی تھی۔ اس بوجھ کو اس شخص کے سامنے اتار پھینکنے آئی تھی' جس نے وہ بوجھ اس پر لادا تھا۔ زندگی
کسی کو اس وقت یہ پتا نہیں تھا کہ وہ وہاں تھی۔ کسی کو پتا ہوتا تو وہ وہاں آ ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کا سیل فون پچھلے کئی گھنٹوں سے آف تھا۔ وہ چند گھنٹوں کے لیے خود کو اس دنیا سے دور لے آئی تھی جس کا وہ حصہ تھی۔ اس دنیا کا حصہ' یا پھر اس دنیا کا حصہ جس میں وہ اس وقت موجود تھی..... ؟ یا پھر اس کی کوئی بنیاد نہیں تھی..... ؟ وہ کہیں کی نہیں تھی۔ اور جہاں کی تھی' جس سے تعلق رکھتی تھی' اس کو اپنا نہیں سکتی تھی۔
انتظار لمبا ہو گیا تھا۔ انتظار ہمیشہ لمبا ہوتا ہے۔ کسی بھی چیز کا انتظار ہمیشہ لمبا ہوتا ہے..... چاہے آنے والی شے پاؤں کی زنجیر بننے والی ہو یا گلے کا ہار۔ سر کا تاج بن کر سجنا ہو اس نے یا پاؤں کی جوتی۔ انتظار ہمیشہ لمبا ہی لگتا ہے۔
وہ ایک سوال کا جواب چاہتی تھی اپنے باپ سے۔ صرف ایک چھوٹے سے سوال کا۔ اس نے اس کی فیملی کو کیوں مار ڈالا؟

6

♠

گرینڈ حیات ہوٹل کا بال روم اس وقت Scripps National Spelling Bee کے 92 ویں مقابلے کے فائنل میں پہنچنے والے فریقین سمیت دیگر شرکا ان کے والدین' بہن بھائیوں اور اس مقابلے کو دیکھنے کے لیے موجود لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہونے کے باوجود ایسا خاموش تھا کہ سوئی گرنے کی آواز بھی سنی جا سکے۔
وہ دو افراد جو فائنل میں پہنچے تھے' ان کے درمیان چودھواں راؤنڈ کھیلا جا رہا تھا۔ تیرہ سالہ ٹیفنی اپنے لفظ کے ہجے کرنے کے لیے اپنی جگہ پر آچکی تھی۔ پچھلے بانوے سالوں سے اس بال روم میں دنیا کے بیسٹ اسپیلر کی تاج پوشی ہو رہی تھی۔ امریکا کی مختلف ریاستوں کے علاوہ دنیا کے بہت سارے ممالک میں اسپیلنگ بی کے مقامی مقابلے جیت کر آنے والے پندرہ سال سے کم عمر کے بچے اس آخری راؤنڈ کو جیتنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ ایسی ہی ایک بازی کے شرکا آج بھی اسٹیج پر موجود تھے۔

"Sassafras" نینسی نے رکی ہوئی سانس کے ساتھ پرونانونسر کا لفظ سنا۔ اس نے پرونانونسر کو لفظ دہرانے کے لیے کہا' پھر اس نے اس لفظ کو خود دہرایا۔ وہ چیمپئن شپ ورڈز میں سے ایک تھا لیکن فوری طور پر اسے وہ یاد نہیں آسکا۔ بہرحال اس کی ساؤنڈ سے وہ اسے بہت مشکل نہیں لگا تھا اور اگر سننے میں اتنا مشکل نہیں تھا تو اس کا مطلب تھا' وہ ترکی لفظ ہو سکتا تھا۔
نو سالہ دوسرا فائنلسٹ اپنی کرسی پر بیٹھے' گلے میں لٹکے اپنے نمبر کارڈ کے پیچھے انگلی سے اس لفظ کی ہجے کرنے میں لگا ہوا تھا۔ وہ اس کا لفظ نہیں تھا لیکن وہاں بیٹھا ہر بچہ ہی لاشعوری طور پر اس وقت یہی کرنے میں مصروف تھا' جو مقابلے سے آؤٹ ہو چکا تھا۔
نینسی کا ریگولر ٹائم ختم ہو چکا تھا۔
"S-A-S-S" اس نے رک رک کر لفظ کی ہجے کرنا شروع کی۔ وہ پہلے چار حرف بتانے کے بعد ایک لمحہ کے لیے رکی۔ زیر لب اس نے باقی کے پانچ حرف دہرائے پھر دوبارہ بولنا شروع کیا۔
"A-F-R" وہ ایک بار پھر رکی۔ دوسرے فائنلسٹ نے بیٹھے بیٹھے زیر لب آخری دو حرف کو دہرایا۔
"U-S" مائیک کے سامنے کھڑی نینسی نے بھی بالکل اسی وقت یہی دو حرف بولے اور پھر بے یقینی سے اس گھنٹی کو بجتے سنا' جو اسپیلنگ کے غلط ہونے پر بجتی گئی۔ شاک صرف اس کے چہرے پر نہیں تھا۔ اس دوسرے فائنلسٹ کے چہرے پر بھی تھا۔ پرونانونسر اب Sassafras کے درست اسپیلنگ دہرا رہا تھا۔ نینسی نے بے اختیار اپنی آنکھیں بند کیں۔
"آخری لیٹر سے پہلے A ہی ہونا چاہیے تھا.... میں نے U کیا سوچ کر لگا دیا؟" اس نے خود کو کوسا۔ تقریباً "فق رنگت کے ساتھ نینسی گراہم نے مقابلے کے شرکا کے لیے رکھی ہوئی کرسیوں کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ یہ ممکنہ رنرزاپ کو کھڑے ہو کر دی جانے والی داد و تحسین تھی۔ نو سالہ دوسرا فائنل میں پہنچنے والا بھی اس کے لیے کھڑا تالیاں بجا رہا تھا۔ نینسی کے قریب پہنچنے پر اس نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔ نینسی نے ایک مدہم مسکراہٹ کے ساتھ اسے جواب دیا اور اپنی سیٹ سنبھال لی۔ ہال میں موجود لوگ دوبارہ اپنی نشستیں سنبھال چکے تھے اور وہ دوسرا فائنلسٹ مائیک کے سامنے اپنی جگہ پر آچکا تھا۔ نینسی اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے ایک موہوم سی امید تھی کہ اگر وہ بھی اپنے لفظ کے غلط ہجے کرتا تو وہ ایک بار پھر اپنے فائنل راؤنڈ میں واپس آجاتی۔
"That was a catch 22" اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ وہ اندازہ نہیں لگا سکی' وہ اس کے لیے کہہ رہا تھا یا وہ اس لفظ کو واقعی اپنے لیے بھی Catch 22 ہی سمجھ رہا تھا.... وہ چاہتی تھی ایسا ہو نا.... ہر کوئی چاہتا۔
سینٹر اسٹیج پر اب وہ نو سالہ فائنلسٹ تھا۔ اپنی اسی شرارتی مسکراہٹ اور گہری سیاہ چمکتی آنکھوں کے ساتھ۔ اس نے اسٹیج سے نیچے بیٹھے چیف پرونانونسر کو دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ جوناتھن جواباً" مسکرایا تھا اور صرف جوناتھن ہی نہیں' وہاں سب کے لبوں پر ایسی ہی مسکراہٹ تھی۔ وہ نو سالہ فائنلسٹ اس چیمپئن شپ کو دیکھنے والے حاضرین کا سویٹ ہارٹ تھا۔
اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔ چمکتی ہوئی تقریباً" گول آنکھیں جو کسی کارٹون کریکٹر کی طرح پرجوش اور جاندار تھیں اور اس کے تقریباً "گلابی ہونٹ جن پر وہ وقتاً "فوقتاً" زبان پھیر رہا تھا اور جن پر آنے والا ذرا سا تبسم بہت سے لوگوں کو بلاوجہ مسکرانے پر مجبور کر رہا تھا.... وہ "معصوم فتنہ" تھا۔ یہ صرف اس کے والدین جانتے تھے' جو دوسرے بچوں کے والدین کے ساتھ اسٹیج کی بائیں طرف پہلی رو میں اپنی بچی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں

پیچھے پورے فائنلسٹس کے والدین کے برعکس وہ بے حد پر سکون تھے۔ ان کے چہرے پر اب بھی کوئی ٹینشن نہیں تھی جب ان کا بیٹا چیمپئن شپ ورڈ کے لیے آکر کھڑا تھا۔ ٹینشن اگر کسی کے چہرے پر تھی تو وہ ان کی سات سالہ بیٹی کے چہرے پر تھی جو دو دن پر مشتمل اس پورے مقابلے کے دوران ہلکان رہی تھی اور وہ اب بھی آنکھوں پر گلاسز لگائے پورے انہماک کے ساتھ اپنے نو سالہ بھائی کو دیکھ رہی تھی جو پروناؤنسر کے لفظ کے لیے تیار تھا۔
"Cappelletti" جوناتھن نے لفظ ادا کیا۔ اس فائنلسٹ کے چہرے پر بے اختیار ایسی مسکراہٹ آئی تھی، جیسے وہ بمشکل اپنی ہنسی کو کنٹرول کر رہا ہو۔ اس کی آنکھیں پہلے کلاک وائز اور پھر اینٹی کلاک وائز گھومنا شروع ہوئی تھیں۔ ہال میں کچھ کھلکھلاہٹیں ابھری تھیں۔ اس نے اس چیمپئن شپ میں اپنا ہر لفظ سننے کے بعد اسی طرح ری ایکٹ کیا تھا۔ بھینچی ہوئی مسکراہٹ اور گھومتی ہوئی آنکھیں۔ کمال کی خود اعتمادی تھی۔ کئی دیکھنے والوں نے اسے داد دی۔ اس کے حصے میں آنے والے الفاظ دوسروں کی نسبت زیادہ مشکل ہوتے تھے۔ یہ اس کے لیے مشکل وقت ہوتا تھا۔ لیکن بے حد روانی سے بغیر اٹکے بغیر گھبرائے اسی پُراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ وہ ہر پہاڑ سر کرتا رہا تھا اور اب وہ آخری چوٹی کے سامنے کھڑا تھا۔
"DefinitionPlease" اس نے اپنا ریگولر ٹائم استعمال کرنا شروع کیا۔
"Languageoforigin" (اس زبان کا ماخذ) اس نے پروناؤنسر کے جواب کے بعد اگلا سوال کیا۔
"اٹالین" اس نے پروناؤنسر کے جواب کو دہراتے ہوئے کچھ سوچنے والے انداز میں ہونٹوں کو دائیں بائیں حرکت دی۔ اس کی بہن بے چینی اور تناؤ کی کیفیت میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے والدین اب بھی پرسکون تھے۔ اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ لفظ اس کے لیے آسان تھا۔ وہ ایسے ہی تاثرات کے ساتھ پچھلے تمام الفاظ ہجے کرتا رہا تھا۔
"پلیز اس لفظ کو کسی جملے میں استعمال کریں۔" وہ اب پروناؤنسر سے کہہ رہا تھا۔ پروناؤنسر کا بتایا ہوا جملہ سننے کے بعد گلے میں لٹکے ہوئے نمبر کارڈ کی پشت پر انگلی سے اس لفظ کو لکھنے لگا۔
"اب آپ کا ٹائم ختم ہونے والا ہے۔" اسے آخری تیس سیکنڈز کے شروع ہونے پر اطلاع دی گئی جس میں اس نے اپنے لفظ کے ہجے کرنا تھا۔ اس کی آنکھیں گھومنا بند ہو گئیں۔
"Cappelletti" اس نے ایک بار پھر لفظ دہرایا۔
"C-A-P-P-E-I-I" وہ ہجے کرتے ہوئے ایک لحظہ کے لیے رکا۔ پھر ایک سانس لیتے ہوئے اس نے دوبارہ ہجے کرنا شروع کیا۔

"E-T-T-I"
ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا اور بہت دیر تک گونجتا رہا۔
اسپیلنگ بی کا نیا چیمپئن صرف ایک لفظ کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔
تالیوں کی گونج تھمنے کے بعد جوناتھن نے اسے آگاہ کیا تھا کہ اسے اب ایک اضافی لفظ کے حرف بتانے ہیں۔ اس نے سر ہلایا۔ اس لفظ کی ہجے نہ کر سکنے کی صورت میں فینسی ایک بار پھر مقابلے میں واپس آجاتی۔
"Weissnichtwo" اس کے لیے لفظ پروناؤنس کیا گیا۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔ پھر اس کا منہ کھلا اور اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔
"وہ مائی گاڈ!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔ وہ سکتے میں تھا اور پوری چیمپئن شپ میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس کی آنکھیں اور وہ خود اس طرح جامد ہوا تھا۔
فینسی بے اختیار اپنی کرسی پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ تو کوئی ایسا لفظ آگیا تھا جو اسے دوبارہ چیمپئن شپ میں

واپس لا سکتا تھا۔

اس کے والدین کو پہلی بار اس کے تاثرات نے کچھ بے چین کیا تھا ان کا بیٹا اب اپنے نمبر کارڈ سے اپنا چہرہ حاضرین سے چھپا رہا تھا۔ حاضرین اس کی انگلیوں اور ہاتھوں کی کپکپاہٹ بڑی آسانی سے اسکرین پر دیکھ سکتے تھے، اور ان میں سے بہت سوں نے اس بچے کے لیے واقعی بہت ہمدردی محسوس کی۔ وہاں بہت کم تھے جو اسے جیتتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

ہال میں بیٹھا ہوا صرف ایک شخص مطمئن اور پُرسکون تھا۔ پُرسکون۔۔۔ یا پُرجوش۔۔۔؟۔۔۔ کہنا مشکل تھا اور وہ اس بچے کی سات سالہ بہن تھی، جو اپنے ماں باپ کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی اور جس نے اپنے بھائی کے تاثرات پر پہلی بار بڑے اطمینان کے ساتھ کرسی کی پشت کے ساتھ مسکراتے ہوئے ٹیک لگائی تھی۔ گود میں رکھے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو بہت آہستہ آہستہ اس نے تالی کے انداز میں بجانا بھی شروع کر دیا تھا۔ اس کے ماں باپ نے بیک وقت اس کے تالی بجاتے ہاتھوں اور اس کے مسکراتے چہرے کو الجھے ہوئے انداز میں دیکھا، پھر اسٹیج پر اپنے لرزتے کانپتے کنفیوز بیٹے کو جو نمبر کارڈ کے پیچھے اپنا چہرہ چھپائے انگلی سے کچھ لکھنے اور بڑبڑانے میں مصروف تھا۔

A

♠

اس کتاب کا پہلا باب اگلے نو ابواب سے مختلف تھا۔ اسے پڑھنے والا کوئی بھی شخص یہ فرق محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ پہلا باب اور اگلے نو ابواب ایک شخص کے لکھے ہوئے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ ایک شخص نے لکھے ۔ بھی نہیں تھے۔

وہ جانتی تھی وہ اس کی زندگی کی پہلی بددیانتی تھی، لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ وہی آخری بھی ہوگی۔ اس کتاب کا پہلا باب اس کے علاوہ اب کوئی اور نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس نے پہلا باب بدل دیا تھا۔

نم آنکھوں کے ساتھ اس نے پرنٹ کمانڈ دی۔ پرنٹر برق رفتاری سے وہ پچاس صفحے نکالنے لگا، جو اس کتاب کا ترمیم شدہ پہلا باب تھے۔

اس نے ٹیبل پر پڑی ڈسک اٹھائی اور بے حد تھکے ہوئے انداز میں اس پر ایک نظر ڈالی۔ پھر اس نے اسے دو ٹکڑوں میں توڑ ڈالا۔۔۔ پھر چند اور ٹکڑے۔۔۔ اپنی ہتھیلی پر پڑے ان ٹکڑوں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اس نے انہیں ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔

ڈسک کا کور اٹھا کر اس نے زیر لب اس پر لکھے چند لفظوں کو پڑھا۔۔۔۔ پھر چند لمحے پہلے لیپ ٹاپ سے نکالی ہوئی ڈسک اس نے اس کور میں ڈال دی۔

پرنٹر تب تک اپنا کام مکمل کر چکا تھا۔ اس نے ٹرے میں سے ان صفحات کو نکال لیا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ انہیں ایک فائل کور میں رکھ کر اس نے انہیں ان دوسری فائل کورز کے ساتھ رکھ دیا جن میں اس کتاب کے باقی نو ابواب تھے۔

ایک گہرا سانس لیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کھڑے ہو کر اس نے ایک آخری نظر اس لیپ ٹاپ کی مدھم پڑتی اسکرین پر ڈالی۔

اسکرین تاریک ہونے سے پہلے اس پر ایک تحریر ابھری تھی Will Be Waiting!

اس کی آنکھوں میں ٹھہری نمی ایک دم چھلک پڑی تھی۔ وہ مسکرا دی۔ اسکرین اب تاریک ہو گئی۔ اس نے پلٹ کر ایک نظر کمرے کو دیکھا۔ پھر بیڈ کی طرف چلی آئی۔ ایک عجیب سی تھکن اس کے وجود پر چھانے لگی تھی،

اس کے وجود پر۔۔۔ یا ہر چیز پر۔۔۔ بیڈ پر بیٹھ کر چند لمحے اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑی چیزوں پر نظر دوڑائی۔

پتا نہیں کب وہاں اپنی رسٹ واچ چھوڑ گیا تھا۔ شاید رات کو جب وہ وہاں تھا۔ وہ وضو کرنے گیا تھا۔ پھر شاید اسے یاد نہیں رہا تھا۔ وہ رسٹ واچ اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ سیکنڈ کی سوئی تیزی سے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ زندگی میں سیکنڈز کی سوئی کبھی نہیں رکتی۔ صرف منٹ اور گھنٹے ہیں جو رکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۔۔ سفر ختم ہوتا ہے۔ تو شور ختم ہو جاتا ہے۔

بہت دیر اس گھڑی پر انگلیاں پھیرتی وہ جیسے اس کے لمس کو کھوجتی رہی۔ وہ لمس وہاں نہیں تھا۔ وہ اس گھر کی واحد گھڑی تھی جس کا ٹائم بالکل ٹھیک ہوتا تھا۔ صرف منٹ نہیں۔۔۔ سیکنڈز تک۔۔۔ کاملیت اس گھڑی میں نہیں تھی۔ اس شخص کے وجود میں تھی جس کے ہاتھ پر وہ ہوتی تھی۔

اس نے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے اس گھڑی کو دوبارہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ کمبل اپنے اوپر کھینچتے ہوئے وہ بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے لائٹ بند نہیں کی۔ اس نے دروازہ بھی مقفل نہیں کیا تھا۔ وہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ بعض دفعہ انتظار بہت "لمبا" ہوتا ہے۔۔۔ بعض دفعہ انتظار بہت "مختصر" ہوتا ہے۔

اس کی آنکھوں میں نیند اترنے لگی۔۔۔ وہ "اسے" "نیند" سمجھ رہی تھی۔۔۔ ہمیشہ کی طرح آیت الکرسی کا ورد کرتے ہوئے وہ اسے چاروں طرف پھونک رہی تھی، جب اسے یاد آیا۔ وہ اس وقت وہاں ہوتا تو اس سے آیت الکرسی اپنے اوپر پھونکنے کی فرمائش کرتا۔

بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑے ایک فوٹو فریم کو اٹھا کر اس نے بڑی نرمی کے ساتھ اس پر پھونک ماری، پھر فریم کے شیشے پر جیسے کسی نظر نہ آنے والی گرد کو اپنی انگلیوں سے صاف کیا۔ چند لمحے تک وہ فریم میں اس ایک چہرے کو دیکھتی رہی، پھر اس نے اس کو دوبارہ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ سب کچھ جیسے ایک بار پھر سے یاد آنے لگا تھا۔۔۔ اس کا وجود جیسے ایک بار پھر سے ریت بننے لگا تھا۔ آنکھوں میں ایک بار پھر سے نمی آنے لگی تھی۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ "آج" اسے بہت دیر ہو گئی تھی۔

7

♠

"ایکسکیوزمی۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کر بار کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کی نظروں نے جیکی کا تعاقب کیا۔ وہ بار کاؤنٹر پر بار ٹینڈر سے بات کر رہی تھی۔ اس کے سیاہ بیک لیس ڈریس سے اس کی سفید خوب صورت پشت کمر تک نظر آ رہی تھی۔ اس نے نظر ہٹاتے ہوئے اپنے سامنے پڑے اورنج جوس کا ایک گھونٹ بھرا۔ بہت عرصے کے بعد اس نے کسی عورت کے جسم پر غور کیا تھا اور بہت عرصے کے بعد وہ کسی عورت کے ساتھ اکیلے کسی بار میں بیٹھا تھا۔ وہ ایک ہوٹل کا بار روم تھا لیکن وہ کسی ایسی جگہ پر بھی بہت عرصے کے بعد آیا تھا۔

وہ ہاتھ میں پکڑے گلاس سے دوسرا گھونٹ لے رہا تھا جب جیکی دو شیمپئن گلاسز کے ساتھ واپس آگئی تھی۔

"میں نہیں پیتا۔" اس نے ایک گلاس اپنے سامنے رکھنے پر چونک کر اسے یاد دلایا تھا۔

"یہ شیمپئن ہے۔" جیکی نے جواباً ایک کندھے کو ہلاتے ہوئے بے حد گہری مسکراہٹ کے ساتھ اس سے کہا۔ اس کا اپنا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔

"شیمپئن شراب نہیں ہوتی کیا؟" اس نے جواباً جیسے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ وہ ٹیبل پر پڑی سگریٹ کی ڈبیا سے اب ایک سگریٹ نکال کر لائٹر کی مدد سے سلگا رہا تھا۔ جیکی نے آگے جھکتے ہوئے بڑی سہولت سے اس کے ہونٹوں میں دبا سگریٹ نکال لیا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس کی یہ حرکت بے حد غیر متوقع تھی۔ وہ اب

اسی سگریٹ کو اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں دبائے بائیں ہاتھ میں شیمپین گلاس پکڑے مسکراتے ہوئے سگریٹ کے کش لے رہی تھی۔ اس نے نظریں چراتے ہوئے سگریٹ کی ڈبیا سے ایک اور سگریٹ نکال لیا۔

"آؤ ڈانس کریں۔"

وہ جیکی کی آفر پر ایک بار پھر چونکا۔ وہ ڈانس فلور پر رقص کرتے چند جوڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ بار روم میں اس وقت زیادہ لوگ نہیں تھے اور ان میں سے بھی صرف چند ایک ہی ڈانس فلور پر موجود تھے جنہیں واقعی ڈانس کرنا تھا۔ وہ اسی ہوٹل کے نائٹ کلب میں موجود تھے۔

"میں ڈانس نہیں کرتا۔" اس نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے لائٹر رکھا۔

"آتا نہیں ہے؟" جیکی ہنسی تھی۔

"پسند نہیں ہے۔" وہ مسکرایا تھا۔ وہ شیمپین کا گھونٹ بھرتے ہوئے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ اس نے راکھ جھاڑنے کے بہانے نظریں چرائیں۔ جیکی کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔

"شراب کبھی نہیں پی تم نے؟"

اس نے ہاتھ میں پکڑا گلاس میز پر رکھتے ہوئے کچھ آگے جھکتے ہوئے پوچھا۔

اس شخص کی نظریں ایک لمحے کے لیے گلاس سے اٹھی تھیں، پھر اس نے جیکی کو دیکھا۔

"بہت عرصہ پہلے۔" اس نے جیسے اعتراف کیا۔

"شیمپین؟" جیکی نے مصنوعی حیرت کے ساتھ کہا۔

"یہ بھی۔" بے تاثر چہرے کے ساتھ اس نے ڈانس فلور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ گلاس دوبارہ اٹھاتے ہوئے اور سامنے بیٹھے ہوئے مرد کے چہرے پر نظریں جمائے جیکی نے اپنی زندگی میں آنے والے پرکشش ترین مردوں کی فہرست میں اس کو رکھا تھا۔ وہ بلاشبہ ٹاپ پر تھا۔ یہ اس کے جسمانی خدوخال نہیں تھے جس کی بنا پر وہ اسے یہ درجہ دے رہی تھی۔ اس کی زندگی میں شکل و صورت کے اعتبار سے اس سے زیادہ خوب صورت مرد آ گئے تھے۔ سامنے بیٹھے ہوئے شخص میں کچھ اور تھا، جو اسے بے حد ممتاز کر رہا تھا۔ اس کی بے حد مردانہ آواز، اس کا رکھ رکھاؤ، شفاف ذہین اور بے ریا گہری آنکھیں، اس کی مسکراہٹ یا پھر اس کی تمکنت اور رعونت ـــــ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف کھنچ رہی تھی اور بری طرح کھنچ رہی تھی ـــــ اور اس میں اس کا قصور نہیں تھا۔ وہ دعوے سے کہہ سکتی تھی کہ وہ مرد کسی بھی عورت کو متوجہ کر سکتا تھا۔ اس نے اس کے کریکٹر پروفائل میں پڑھا تھا کہ وہ Womanizer نہیں تھا ـــ اسے حیرت تھی وہ کیوں نہیں تھا ـــــ اسے ہونا چاہیے تھا۔ اس پر نظریں جمائے اس نے سوچا اور بالکل اسی لمحے اس شخص نے ڈانس فلور سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔ جیکی کی مسکراہٹ بے اختیار گہری ہوئی تھی۔ وہ بھی بے مقصد مسکرا دیا تھا۔ وہ بہت عرصے کے بعد کسی عورت کی کمپنی کو انجوائے کر رہا تھا۔

وہ خوب صورت تھی، اسمارٹ تھی اور وہ مضطرب تھا۔ نہ ہوتا تو یہاں اس وقت دو گھنٹے ایک اجنبی عورت کے ساتھ کبھی نہ بیٹھا ہوتا۔

"تمہاری شیمپین؟" جیکی نے اسے ایک بار پھر یاد دلایا۔

"تم لے سکتی ہو۔" اس نے جواباً گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اگر پہلے پیتے تھے تو اب اس میں کیا برائی نظر آ گئی تمہیں؟" جیکی اس بار سنجیدہ ہوئی تھی۔

"مزے کے لیے پیتا تھا جب مزا آنا ختم ہو گیا تو چھوڑ دی۔" وہ اس کی بات پر بے اختیار ہنسی ـــ وہ اسے دیکھتا رہا۔

جیکی دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھتے ہوئے آگے جھکی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے اس نے کہا۔

"تمہیں پتا ہے، مجھے تم میں ساحرانہ کشش محسوس ہو رہی ہے۔" وہ مسکرایا تھا۔ یوں جیسے اس کے جملے سے محظوظ ہوا ہو۔

"میرے لیے خوشی کی بات ہے۔" اس نے جواباً کہا تھا۔ جیکی نے بڑے غیر محسوس انداز میں میز پر رکھے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ ہاتھ ہٹانا چاہتا تھا لیکن چاہتے ہوئے بھی نہیں ہٹا سکا۔ وہ اس کے ہاتھ کی پشت پر بظاہر غیر محسوس انداز میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ اس نے بائیں ہاتھ میں پکڑا سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا دیا۔ وہ دونوں اب ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھ رہے تھے، پھر جیکی نے کہا۔

"Do You Believe in one- night Stands"

(کیا تم ایک رات کے تعلق پر یقین رکھتے ہو؟)

جواب فوری آیا تھا۔

"بالکل۔"

4

♠

اینٹوں سے بنے چولہے پر رکھی گھسی ہوئی پرانی مٹی کی ہنڈیا میں ساگ اپنے پانی میں گل رہا تھا۔ اس بوڑھی عورت نے نہر کے کنارے سے چنی ہوئی خشک جھاڑیوں کی ٹہنیوں کو توڑ توڑ کر چولہے میں پھینکنا شروع کر دیا۔ وہ آگ کو اسی طرح بھڑکائے رکھنے کی ایک کوشش تھی۔ وہ مٹی سے لیپے ہوئے گرم فرش پہ چولہے کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ پاؤں سے چپل اتار کر اس نے اپنے سرد ہلکے ہلکے سوجے ہوئے پیروں کو دھوپ سے گرم فرش سے جیسے کچھ حدت پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

اماں اس عمر میں بھی بچوں کے بل بیٹھی لکڑیوں کو توڑ مروڑ کر چولہے میں جھونک رہی تھی۔ آگ میں لکڑیوں کے تڑخنے اور چٹخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ ساگ کی ہانڈی سے اٹھتی بھاپ اور اس میں اٹھتے ابال دیکھتی رہی۔

"مرد کیا کرتا ہے تیرا؟" وہ اماں کے اس اچانک سوال پر چونکی، پھر بڑبڑائی۔

"کیا کرتا ہے؟" اس نے جیسے یاد کرنے کی کوشش کی تھی، پھر کہا۔ "کام کرتا ہے۔"

"کیا کام کرتا ہے؟" اماں نے پھر پوچھا۔

"باہر کام کرتا ہے۔" وہ ساگ کو دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

"پردیس میں ہے؟" بوڑھی عورت نے جواباً پوچھا۔ وہ بھی اب اسی کی طرح زمین پر بیٹھ گئی تھی اور اس نے اپنے گھٹنوں کے گرد اس کی طرح بازو لپیٹ لیے تھے۔

"ہاں ـــ پردیس میں ہے۔" وہ اسی طرح ساگ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"تو ـــ تو یہاں کس کے پاس ہے۔ سسرال والوں کے پاس؟"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"میں کسی کے پاس نہیں ہوں۔" ساگ پر نظریں جمائے اس نے بے ربط جواب دیا۔

"مرد نے گھر سے نکال دیا ہے کیا؟" اس نے چونک کر اس عورت کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں۔"

"پھر تو لڑ کر آئی ہے کیا؟"

"نہیں۔" اس نے پھر بے ساختہ سر ہلایا۔

"تو پھر یہاں کس لیے آئی ہے؟"

"سکون کے لیے۔" اس نے بے اختیار کہا۔

"سکون کہیں نہیں ہے۔" وہ اس عورت کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"جو چیز دنیا میں ہے ہی نہیں' اسے دنیا میں کیا ڈھونڈنا؟" اس نے حیرت سے اس عورت کو دیکھا۔ وہ گہری بات تھی اور اس عورت کے منہ سے سن کر اور بھی گہری لگی تھی اسے' جو اس جنگل میں بیٹھی آگ میں لکڑیاں جھونک رہی تھی۔

"پھر بندہ رہے کیوں دنیا میں' اگر بے سکون رہنا ہے؟"

وہ اس سے یہ سوال نہیں پوچھنا چاہتی تھی' جو اس نے پوچھا تھا۔

"تو پھر کہاں رہے؟" لکڑیاں جھونکتی اس عورت نے ایک لمحہ کے لیے رک کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ کچھ لاجواب ہوتے ہوئے دوبارہ ساگ کو دیکھنے لگی۔

"مرد کہتا نہیں واپس آنے کو؟"

"پہلے کہتا تھا۔ اب نہیں کہتا۔"

اس نے خود بھی لکڑیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرکے آگ میں پھینکنے شروع کردیے تھے۔

"بے چارہ اکیلا ہے وہاں؟" وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکی۔

"ہاں۔۔۔" اس نے اس بار مدھم آواز میں کہا۔ وہ بوڑھی عورت اب پلاسٹک کے ایک شاپر میں پڑا ہوا آٹا ایک تھالی میں ڈال رہی تھی۔

"تو اکیلا چھوڑ کر آگئی اسے؟" دھوپ میں پڑے ایک گھڑے سے ایک گلاس میں پانی نکالتے ہوئے اماں نے جیسے افسوس کیا تھا۔ وہ بے مقصد آگ میں لکڑیاں پھینکتی رہی۔

"تجھ سے پیار نہیں کرتا تھا؟" وہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہوئی۔

"کرتا تھا۔" اس کی آواز بے حد مدھم تھی۔

"خیال نہیں رکھتا تھا؟" ساگ سے اٹھتی بھاپ کی نمی اس کی آنکھوں میں اترنے لگی تھی۔ اسے بڑے عرصے کے بعد پتا نہیں کیا' کیا یاد آیا تھا۔

"رکھتا تھا۔" آواز اور بھی مدھم ہوگئی تھی۔

اماں اب اس کے پاس بیٹھی اس تھالی میں دو روٹیوں کا آٹا گوندھ رہی تھی۔ "روٹی کپڑا نہیں دیتا تھا؟"

اس نے چادر سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ "دیتا تھا۔" وہ اپنی آواز خود بھی بمشکل سن پائی تھی۔

"تو نے پھر بھی چھوڑ دیا اسے؟ تو نے بھی اللہ سے بندے والا معاملہ کیا اس کے ساتھ۔۔۔ سب کچھ لے کر بھی دور ہوگئی اس سے۔"

اماں نے آٹا گوندھتے ہوئے جیسے ہنس کر کہا تھا۔ وہ بول نہیں سکی تھی۔ بولنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔۔۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ صرف اماں کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"تجھے یہ ڈر بھی نہیں لگا کہ کوئی دوسری عورت لے آئے گا وہ؟"

"نہیں۔" اس بار آٹا گوندھتے اماں نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"تجھے پیار نہیں ہے اس سے؟" کیا سوال آیا تھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔

اس کی چپ نے اماں کو جیسے ایک اور سوال دیا۔

"کبھی پیار کیا ہے؟" آنکھوں میں سیلاب آیا تھا۔ کیا کچھ یاد آگیا تھا۔

"کیا تھا۔" اس نے آنسوؤں کو بہنے دیا تھا۔

"پھر کیا ہوا؟" اماں نے اس کے آنسوؤں کو نظرانداز کردیا تھا۔

"نہیں ملا۔" سر جھکائے اس نے آگ میں کچھ اور لکڑیاں ڈالیں۔

"ملا نہیں یا اس نے چھوڑ دیا؟" اس کے منہ میں جیسے ہری مرچ آگئی تھی۔

"اس نے چھوڑ دیا۔" پتا نہیں ساگ زیادہ پانی چھوڑ رہا تھا یا اس کی آنکھیں۔۔۔ پر آنچ اور آنسو دونوں جگہ تھے۔

"پیار نہیں کرتا ہوگا۔" اماں نے بے ساختہ کہا۔

"پیار کرتا تھا' لیکن انتظار نہیں کرسکتا تھا۔" اس نے پتا نہیں کیوں اس کی طرف سے صفائی دی تھی۔

"جو پیار کرتا ہے' وہ انتظار کرتا ہے۔" جواب کھٹاک سے آیا تھا اور اس کی ساری وضاحتوں' دلیلوں کے پرخچے اڑا گیا تھا۔ وہ روتے ہوئے ہنسی تھی یا پھر شاید ہنستے ہوئے روئی تھی۔ کیا سمجھا دیا تھا اس عورت نے جو دل و دماغ کبھی سمجھا نہیں سکے تھے اسے۔

"اس آدمی کی وجہ سے گھر چھوڑ آئی اپنا؟" اماں نے پھر پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ بس وہاں بے سکونی تھی مجھے' اس لیے آگئی۔" اس نے بھیگے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا۔

"کیا بے سکونی تھی؟" وہ برستی آنکھوں کے ساتھ بتاتی گئی۔ اماں چپ چاپ آٹا گوندھتی رہی۔ اس کے خاموش ہونے پر بھی اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ خاموشی کا وہ وقفہ طویل ہوگیا تھا۔۔۔ بے حد طویل۔۔۔ اماں آٹا گوندھنے کے بعد ساگ میں ڈوئی چلانے لگی تھی۔ وہ ٹانگوں کے گرد بازو لپیٹے ساگ کو گھلتے دیکھتی رہی۔

"وہاں نہر کے کنارے کیوں کھڑی تھی؟" اماں نے یک دم ساگ گھوٹتے ہوئے اس سے پوچھا۔ اس نے سر اٹھا کر اماں کا چہرہ دیکھا۔

5

بیرونی گیٹ ہمیشہ کی طرح گھر میں کام کرنے والی ملازمہ نے کھولا تھا۔ ڈرائیووے پر گاڑی کھڑی کرتے ہوئے اس نے ابھی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ ہر روز کی طرح لان میں کھیلتے اس کے دونوں بچے بھاگتے ہوئے اس کے پاس آگئے تھے۔ چار سالہ جبریل پہلے پہنچا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس نے اپنے بیٹے کا چہرہ چوما تھا۔ وہ پسینے سے شرابور تھا۔ اس نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

"السلام علیکم!" جبریل نے روزانہ کی رسومات پوری کیں۔ گاڑی میں پڑے ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر اس نے جبریل کا چہرہ صاف کیا جو اس نے بڑی فرماں برداری سے کروایا تھا۔ دو سالہ عنایہ تب تک ہانپتی کانپتی' شور مچاتی' گرتی پڑتی اس کے پاس آگئی تھی۔ دور سے پہلے اس کے بازوؤں کو دیکھ کر وہ چیخی اور کھلکھلائی تھی۔۔۔ اس نے ہمیشہ کی طرح اسے دور سے گود میں لیا تھا۔ بہت زور سے اسے بھینچنے کے بعد اس نے باری باری بیٹی کے دونوں گال چومے۔ جبریل تب تک ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ بند کرچکا تھا۔ اس نے عنایہ کو اب نیچے اتار دیا۔ وہ دونوں باپ سے ملنے کے بعد دوبارہ لان میں بھاگ گئے تھے۔ جہاں وہ ملازمہ کی دو بیٹیوں کے ساتھ فٹ بال کھیلنے میں مصروف تھے۔ وہ چند لمحے ڈرائیووے پر کھڑا اپنے بچوں کو دیکھتا رہا۔ پھر گاڑی کے پچھلے حصے سے اپنا بریف کیس اور جیکٹ نکالتے ہوئے وہ گھر کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی بیوی تب تک اس کے استقبال کے لیے دروازے تک آچکی تھی۔ دونوں کی نظریں ملی تھیں۔ وہ حیرانی سے اس کے پاس آتے ہوئے مسکرائی۔

"تم جلدی آگئے آج؟" اس نے ہمیشہ کی طرح اسے گلے لگاتے ہوئے اس کے بالوں کو ہولے سے سہلاتے

ہوئے کہا۔

"ہاں آج زیادہ کام نہیں تھا۔"

"تو ڈھونڈ لیتے۔" وہ جواباً اس کے ہاتھ سے جیکٹ لیتے ہوئے ہنسی۔ وہ جواب دینے کے بجائے مسکرا دیا۔

اپنے بیڈ روم میں اس نے جب تک اپنا بریف کیس رکھا اور جوتے اتارے، وہ اس کے لیے پانی لے آئی تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ اس کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے سے گلاس اٹھا رہا تھا جب اس نے اچانک پوچھا تھا۔ اس نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

"ہاں... بالکل... کیوں؟"

"نہیں... مجھے تھکے ہوئے لگے ہو اس لیے پوچھ رہی ہوں۔" اس نے جواب دینے کے بجائے گلاس منہ سے لگا لیا۔ وہ ٹرے لے کر چلی گئی۔

کپڑے تبدیل کر کے وہ لاؤنج میں آ گیا تھا۔ لان میں اس کے دونوں بچے ابھی بھی فٹ بال کے پیچھے بھاگ پھر رہے تھے۔ وہ لاؤنج کی کھڑکی کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ کانگو کا موسم اسے کبھی پسند نہیں رہا تھا اور اس کی وجہ وہ بارش تھی جو کسی وقت بھی شروع ہو سکتی تھی اور جو شاید ابھی کچھ دیر میں پھر سے شروع ہونے والی تھی۔ کنگ ساشا میں پچھلے کئی دنوں سے ہر روز اسی وقت بارش ہوتی تھی... سہ پہر کے آخر چند گھنٹے... ایک ڈیڑھ گھنٹہ کی بارش اور اس کے بعد مطلع صاف۔

"چائے..." وہ اپنی بیوی کی آواز پر باہر لان میں دیکھتے بے اختیار پلٹا۔ وہ ایک ٹرے میں چائے کے دو مگ اور ایک پلیٹ میں چند کوکیز لیے کھڑی تھی۔

"تھینکس..." وہ ایک مگ اور ایک بسکٹ اٹھاتے ہوئے مسکرایا۔

"باہر چلتے ہیں بچوں کے پاس۔" وہ باہر جاتے ہوئے بولی۔

"میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ کسی کال کا انتظار کر رہا ہوں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے باہر چلی گئی۔ چند منٹوں کے بعد اس نے اپنی بیوی کو لان میں نمودار ہوتے دیکھا۔ لان کے ایک کونے میں پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے، وہ کھڑکی میں اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔ وہ بھی جواباً مسکرا دیا تھا۔ چائے کا مگ اور بسکٹ کی پلیٹ اب لان میں اس کے سامنے پڑی ٹیبل پر رکھے تھے۔ اس نے باری باری جبریل اور عنایہ کو اس کے پاس آ کر بسکٹ لیتے دیکھا۔ جبریل نے دو بسکٹ لے کر نونو اور لویا کو دیے تھے۔ چاروں بچے ایک بار پھر فٹ بال سے کھیلنے لگے تھے۔ اس کی بیوی اب مکمل طور پر بچوں کی طرف متوجہ تھی۔ چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے وہ اپنے کندھے پر پڑی شال سے اپنے جسم کا وہ حصہ چھپائے، جہاں ایک نئی زندگی پرورش پا رہی تھی۔ ان کے ہاں تیسرا بچہ ہونے جا رہا تھا۔ وہ فٹ بال کے پیچھے بھاگتے بچوں کو دیکھتے ہوئے وقتاً فوقتاً ہنس رہی تھی اور پھر انہیں ہدایات دینے لگتی۔

لاؤنج کی کھڑکی کے سامنے کھڑے باہر دیکھتے ہوئے وہ جیسے ایک فلم دیکھ رہا تھا۔ ایک مکمل فلم... اس کے ہاتھ میں پکڑی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ ایک گہرا سانس لے کر اس نے مگ وہیں رکھ دیا۔ اس کی بیوی کا اندازہ ٹھیک تھا... وہ "ٹھیک" نہیں تھا۔

وہ کھڑکی کے شیشے سے باہر لان میں نظر آنے والی ایک خوش و خرم فیملی دیکھ رہا تھا۔ آئیڈیل پرفیکٹ لائف کا ایک منظر... اس کے بچوں کے بچپن کے قیمتی لمحے... اپنے اندر ایک اور ننھا وجود لیے اس کی بیوی کا مطمئن و مسرور چہرہ... چند پیپرز کو پھاڑ کر پھینک دینے سے یہ زندگی ایسے ہی خوب صورت رہ سکتی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لیے بری طرح کمزور پڑا۔ اولاد اور بیوی واقعی انسان کی آزمائش ہوتے ہیں۔ ان کے لیے جنہیں "مال" آزمانے سے قاصر رہتا ہے۔ انہیں دیکھتے ہوئے وہ بھی اسی آزمائش کا شکار ہو رہا تھا۔ ایک مرد، ایک شوہر اور ایک باپ کے طور پر لان میں موجود اس کی فیملی اس کی ذمہ داری تھی۔ وہ ان سے "خون" اور "محبت" کے رشتوں سے بندھا ہوا تھا۔

ایک لمحے کے لیے اس کی نظر بھٹک کر جبریل اور عنایہ کے ساتھ کھیلنے والی چار اور چھ سال کی ان دو سیاہ فام لاغر بچیوں پر گئی تھی۔ اس کے خوب صورت گورے بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے وہ اور بھی زیادہ بدصورت لگ رہی تھیں۔ ہیڈی کی وہ دونوں بیٹیاں اگر اس وقت مناسب لباس اور جوتوں میں ملبوس تھیں تو اس کی وجہ ہیڈی کا ان کے گھر کام کرنا تھا۔ ورنہ وہ کومبے کے غریبوں کے ہزاروں بچوں کی طرح اپنا بچپن کسی بھی سہولت کے بغیر چائلڈ لیبر کے طور پر گزار رہی ہوتیں اور وہاں سے چلے جانے کے بعد ان کا مستقبل پھر کسی غیر یقینی صورت حال کا شکار ہو جاتا۔ بالکل اسی طرح، جس طرح اس مغربی استعماریت کے وہاں آ جانے سے پورا افریقہ بے یقینی اور عدم استحکام کا شکار ہو رہا تھا۔ وہ اسی مغربی استعماریت کے ایک نمائندے کے طور پر وہاں موجود تھا۔

اس نے اپنی تیس سالہ ملازمہ کو ڈرائیو وے پر کھڑے اپنی بچیوں کی کسی کک پر تالیاں بجاتے دیکھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے لان کے ایک کونے میں کرسی پر بیٹھی اس کی بیوی اپنے دونوں بچوں کو کھیلتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ ہیڈی نے خود کبھی "بچپن" نہیں دیکھا تھا۔ وہ پیدا ہونے کے فوراً بعد بالغ ہو گئی تھی۔ افریقہ کے نوے فیصد بچوں کی طرح جنہیں بچپن یا بقائے زندگی میں سے کوئی ایک چیز ہی مل سکتی تھی۔ بچپن بہرحال ان آپشنز میں سے تھا جو پریمیم کی لسٹ میں آتے تھے اور ایسا ہی ایک آپشن اپنے بچوں کو دینے کے لیے ہیڈی سنگل پیرنٹ کے طور پر جان توڑ محنت کر رہی تھی۔ وہ ان کے ساتھ انسانیت کے رشتے میں منسلک تھا۔

ایک لمبے عرصے کے بعد وہ پہلی بار وہاں کھڑا اپنی اولاد اور اس عورت کی اولاد کا موازنہ کر رہا تھا۔ اپنی بیوی کی زندگی اور اس عورت کی زندگی کا مقابلہ کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ آج وہاں اس کام کے لیے نہیں کھڑا تھا۔

اس کا فون بجنے لگا تھا۔ ایک گہرا سانس لے کر اس نے کالر آئی ڈی دیکھی۔ اس کا جسم ایک لمحے کے لیے تنا تھا۔ کال ریسیو کرتے ہوئے اسے اندازہ تھا اس وقت دوسری طرف وہ کس سے بات کرنے والا تھا۔

اسے اپنی فیملی کی زندگی اور استعفیٰ میں سے ایک چیز کا انتخاب کرنا پڑا۔

8

♠

پریذیڈنٹ نے کافی کا خالی کپ واپس میز پر رکھ دیا۔ پچھلے پانچ گھنٹے میں یہ کافی کا آٹھواں کپ تھا، جو اس نے پیا تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی اتنی کافی نہیں پی تھی مگر زندگی میں کبھی اسے اس طرح کا فیصلہ بھی نہیں کرنا پڑا تھا۔

وہ between devil and the blue sea (آگے گڑھا، پیچھے کھائی) والی صورت حال سے دوچار تھا اور اپنے عہد صدارت کے ایک بہت غلط وقت پر ایسی صورت حال سے دوچار ہوا تھا۔ کانگریس کے الیکشنز سر پر تھے اور یہ فیصلہ ان الیکشنز کے نتائج پر بری طرح اثر انداز ہوتا۔ "بری طرح" کا لفظ شاید ناکافی تھا۔ اس کی پارٹی درواصل الیکشن ہار جاتی، لیکن اس فیصلے کو نہ کرنے کے اثرات زیادہ مضر تھے۔ وہ اسے جتنا ٹال سکتا تھا۔ ٹال چکا تھا۔ جتنا کھینچ چکا تھا۔ اب بہرحال اس کے پاس ضائع کرنے کے لیے مزید وقت نہیں تھا۔ کچھ لابیز کی قوت برداشت جواب دے رہی تھی۔ کچھ پاور پلیئرز دبے لفظوں میں اپنی ناراضی اور شدید ردعمل سے اسے خبردار کر رہے تھے۔ فارن آفس اسے مسلسل متعلقہ ممالک سے امریکن سفارت کاروں کی تقریباً "روزانہ کی بنیاد پر آنے والی کوریسپانڈنس اور کنسرنز کے بارے میں آگاہ کر رہا تھا اور خود وہ دو ہفتے کے دوران مستقل ہاٹ لائن پر رہا

تھا۔ امریکا کی بین الاقوامی پسپائی ایک الیکشن ہارنے سے زیادہ سنگین تھی مگر اس کے پاس آپشنز نہ ہونے کے برابر تھے۔ اپنی کیبنٹ کے چھ اہم ترین ممبرز کے ساتھ پانچ گھنٹے کی طویل گفت و شنید کے بعد وہ جیسے تھک کر پندرہ منٹ کا ایک وقفہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا اور اس وقت وہ اس وقفے کے آخری کچھ منٹ گزار رہا تھا۔

ٹیبل سے کچھ پیپرز اٹھا کر وہ دوبارہ دیکھنے لگا تھا۔ وہ کیبنٹ آفس میں ہونے والی پانچ گھنٹے طویل میٹنگ کے بلٹ پوائنٹس تھے۔ اس کی کیبنٹ کے وہ چھ ممبرز دو برابر گروپس میں بٹے ہوئے ' دو مختلف لابیز کے ساتھ تھے۔ وہ ٹائی اس کے کاسٹنگ ووٹ سے ٹوٹنے والی تھی اور یہی چیز اسے اتنا بے بس کر رہی تھی۔ اس فیصلے کی ذمہ داری ہر حال میں اسی کے سر پر آ رہی تھی۔ یہ اس کے عہد صدارت میں ہوتا اور اس کے کاسٹنگ ووٹ سے ہوتا۔ اگر ہوتا تو۔ اور اس ذمہ داری کو وہ لاکھ کوشش کے باوجود کہیں اور منتقل نہیں کر پا رہا تھا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات کو ایک نظر پھر دیکھنا شروع کیا۔ وہ بلٹ پوائنٹس اس وقت اس کے لیے ہلنسی کا کام کر رہے تھے۔

بریک کے آخری دو منٹ باقی تھے ' جب وہ ایک فیصلہ پر پہنچ گیا تھا۔ بعض دفعہ تاریخ بنانے والے کے ہاتھوں کو جکڑ کر خود کو بنواتی ہے۔

اور تاریخ 17 جنوری 2030ء کو بھی یہی کر رہی تھی۔

10

♠

وہ یخنی میں ڈوبے ہوئے روٹی کے ٹکڑے چمچے کے ساتھ اپنے باپ کو کھلا رہا تھا۔ اس کا باپ ایک لقمے کو چبانے اور نگلنے میں تقریباً" دو منٹ لے رہا تھا۔ وہ ہر بار صرف اتنی ہی یخنی پیالے میں ڈالتا جس میں ایک ٹکڑا ڈوب جاتا ' پھر چمچے سے اس ٹکڑے کو باپ کے منہ میں ڈالنے کے بعد وہ بے حد تحمل سے پیالے میں نیا ٹکڑا اور گرم یخنی ڈالتا۔ لقمے کے چبائے جانے تک روٹی کا نیا ٹکڑا یخنی میں پھولنے لگتا تھا۔ وہ ایک ہی وقت میں یخنی اس پیالے میں ڈالتا تو یخنی اب تک ٹھنڈی ہو چکی ہوتی۔ یخنی کا ایک پیالہ پینے میں اس کا باپ تقریباً" ایک گھنٹہ لگاتا تھا۔ ٹھنڈی یخنی میں ڈوبے ہوئے روٹی کے ٹکڑے بھی وہ اسی رغبت سے کھاتا جیسے وہ ان گرم لقموں کو کھا رہا تھا۔ اس کی ذائقے کی حس آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔ گرم اور ٹھنڈی خوراک میں تخصیص کرنا وہ کب کا چھوڑ چکا تھا۔ یہ صرف اس کی دیکھ بھال کرنے والے اس کی فیملی کے افراد تھے ' جو اس تخصیص کو اس کے لیے اب بھی برقرار رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اب بھی خوراک کو اس کے لیے ممکنہ حد تک ذائقہ دار بنا کر دے رہے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس ذائقے سے لطف اندوز ہو سکتا تھا نہ اس ذائقے کو یاد رکھ سکتا تھا۔

باپ کو کھانا کھلانے کے ساتھ ساتھ اس نے اور اس کی بیوی نے بھی وہاں بیٹھے کھانا کھایا تھا۔ وہ جب بھی یہاں آتا تھا تینوں وقت کا کھانا باپ کے کمرے میں اسے کھانا کھلاتے ہوئے ہی کھاتا تھا اور اس کی عدم موجودگی میں یہ کام اس کی بیوی اور بچے کرتے تھے۔ ان کے گھر کا ڈائننگ روم ایک عرصہ سے نہ ہونے کے برابر استعمال ہو رہا تھا۔ اس کے باپ کا بیڈ روم اس کی فیملی کے افراد کی بہت ساری سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہ اس شخص کو تنہائی سے بچانے کی ایک کوشش تھی ' جو پچھلے کئی سال سے بستر پر پڑا تھا اور الزائمر کی آخری اسٹیج میں داخل ہو چکا تھا۔

ٹرالی میں پڑا نیپکن اٹھا کر اس نے اپنے باپ کے ہونٹوں کے کونے سے نکلنے والی یخنی کے وہ قطرے صاف کیے جو چند لمحے پہلے نمودار ہوئے تھے۔ اس کے باپ نے خالی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا جن سے وہ ہمیشہ دیکھتا تھا۔ وہ اسے کھانا کھلاتے ہوئے جواب کی توقع کیے بغیر اس سے بات کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اس کے باپ کی خاموشی کے وقفے اب گھنٹوں پر مشتمل ہونے لگے۔ گھنٹوں کے بعد کوئی لفظ کوئی جملہ اس کے منہ سے نکلتا تھا جس کا تعلق اس کی زندگی کے کسی سال کی کسی یاد سے ہوتا تھا اور وہ سب اس جملے کو حال کے ساتھ جوڑنے کی کوشش میں لگ جاتے تھے۔

اس کا باپ یک ٹک کھانا کھاتے اسے دیکھتا تھا۔ اب بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کا باپ جیسے ایک اجنبی کا چہرہ پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کو کھانا کھلانے کی کوئی احتیاط ' کوئی محبت ' کوئی لگن اس کی یادداشت پر کہیں محفوظ نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ایک اجنبی کے ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا اور اس کی ختم ہوتے دماغی خلیے سارا وقت اس اجنبی کے چہرے کو کوئی نام دینے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے باپ کو اس کے ہاتھ سے کھایا ہوا وہ پہر کا کھانا تک یاد نہیں ہو گا۔ وہ جتنی بار اس کے کمرے میں آتا ہو گا۔ وہ اپنے باپ کے لیے ایک نیا شخص ' ایک نیا چہرہ ہو گا اور صرف وہی نہیں اس کی فیملی کے تمام افراد بھی۔ اس کا باپ شاید حیران ہوتا ہو گا کہ اس کے کمرے میں بار بار نئے لوگ کیوں آتے ہیں۔ اس کا باپ اپنے گھر میں "اجنبیوں" کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ لوگ جو اسے کھانا کھلاتے ہیں۔ باتھ روم لے کر جاتے تھے۔ نہلاتے تھے۔ کپڑے بدلتے تھے۔ باتیں کرتے تھے۔ لیکن وہ یہ سب کیوں کرتے تھے؟ اور پھر "کیوں؟" کا یہ سوال بھی اس کے ذہن کی اسکرین سے مٹ گیا یا شاید تحلیل ہو گیا۔

اس نے یخنی کا آخری چمچہ اپنے باپ کے منہ میں ڈالا۔ پھر پیالہ ٹرالی میں رکھ دیا۔ اب وہ اپنے باپ کو اسی طرح چمچے کے ساتھ پانی پلا رہا تھا۔ اس کا باپ لمبا گھونٹ نہیں بھر سکتا تھا۔

اس کی بیوی کچھ دیر پہلے کمرے سے اٹھ کر گئی تھی۔ اس کا سامان کچھ دیر پہلے ایئرپورٹ جا چکا تھا۔ اب باہر ایک گاڑی اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ جو اسے تھوڑی دیر میں ایئرپورٹ تک لے جاتی۔ اس کا اسٹاف بے صبری سے اس کمرے سے اس کی برآمدگی کا منتظر تھا۔

اس نے گلاس واپس رکھتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ کر اپنے باپ کی گردن کے گرد پھیلایا ہوا نیپکن ہٹایا۔ پھر کچھ دیر تک وہ اپنے باپ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بیٹھا رہا۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنے باپ کو اپنی روانگی کے بارے میں بتایا تھا اور اس تشکر و احسان مندی کے بارے میں جو وہ اپنے باپ کے لیے محسوس کرتا تھا اور خاص طور پر آج محسوس کر رہا تھا۔ اس کا باپ خالی نظروں سے اسے دیکھ اور سن رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کچھ نہیں سمجھ رہا ' لیکن یہ ایک رسم تھی جو وہ ہمیشہ ادا کرتا تھا۔ اس نے اپنی بات ختم کرنے کے بعد باپ کے ہاتھ چومے ' پھر انہیں لٹا کر کمبل اوڑھا دیا اور کچھ دیر بے مقصد بیڈ کے پاس کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ اس کے بعد پتا نہیں وہ کب دوبارہ اپنے باپ کے پاس آنے کے قابل ہوتا۔

وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ آخری کھانا تھا ' جو اس نے باپ کے ساتھ کھایا تھا۔

Q

♠

اس کا ہاتھ پکڑے وہ اسے اب کسی راستے پر لے جانے لگا۔

ایک قدم ۔ دوسرا قدم ۔ تیسرا ۔ پھر وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ ایک جھیل تھی ۔ چھوٹی سی جھیل ' جس کے کنارے پر وہ تھے۔ ہلکی نیلی رنگت کے شفاف پانی کی ایک جھیل ۔ جس کے پانی میں وہ رنگ برنگی مچھلیاں تیرتے ہوئے دیکھ سکتی تھی۔

اور اس کی تہ میں بے شمار رنگوں کے موتی ۔ پتھر ۔ سیپیاں۔

جھیل کے پانی پر آبی پرندے تیر رہے تھے۔ خوب صورت راج ہنس ۔ جھیل کے چاروں اطراف پھول تھے ' اور بہت سے پھول جھیل کے پانی تک چلے گئے تھے۔ کچھ پانی کی سطح پر تیر رہے تھے۔

مگر اس کے قدموں کو ان میں سے کسی چیز نے نہیں روکا تھا۔ اس کے قدموں کو روکنے والی شے جھیل کے کنارے پر موجود لکڑی کی وہ خوب صورت چھوٹی سی کشتی تھی جو پانی میں ہلکورے لے رہی تھی۔ اس نے بے اختیار کھلکھلا کر اسے دیکھا۔

"یہ میری ہے؟" وہ مسکرا دیا۔

وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بچوں کی طرح بھاگتی کشتی کی طرف گئی۔ وہ اس کے پیچھے لپکا۔ اس کے پاس پہنچنے پر کشتی پانی سے کچھ باہر آ گئی۔ وہ بڑی آسانی سے اس میں سوار ہو گئی۔ اسے لگا وہ کشتی صندل کی لکڑی سے بنی تھی۔ خوشبودار صندل سے۔

وہ اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا کشتی کو پانی میں لے گیا۔ وہ دونوں بے اختیار ہنسے۔ کشتی اب جھیل کے دوسرے کنارے کی طرف سفر کر رہی تھی۔ اس نے جھک کر پانی میں تیرتا کنول کا ایک پھول پکڑ لیا۔ پھر اسی احتیاط کے ساتھ اسے چھوڑ دیا۔

اس نے دوسری طرف جھک کر اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں جھیل کا پانی ایک چھوٹی سی رنگین مچھلی سمیت لیا اور اس کے سامنے کر دیا۔ اس کے ہاتھوں کے پیالے میں حرکت کرتی مچھلی کو دیکھ کر وہ ہنسی۔ پھر اس نے اس مچھلی کو ہاتھ سے پکڑا اور پانی میں اچھال دیا۔ وہ دونوں جھک کر اسے دیکھتے رہے۔ پانی پر تیرتا ایک ہنس کشتی کے پاس آ گیا۔ پھر دوسرا۔ پھر تیسرا۔ وہ کشتی کے گرد اب جیسے ایک دائرہ سا بنا کر تیر رہے تھے۔ یوں جیسے ان کا استقبال کر رہے تھے۔ وہ پاس سے تیر کر گزرتے ہر ہنس کو اپنے ہاتھ سے چھوتی کھلکھلا رہی تھی۔ پھر یک دم اس نے جھیل کے پانی پر کنول کے پھولوں کی قطاروں کو حرکت کرتے دیکھا۔ وہ جھیل کے پانی پر تیرتے اب رقص کر رہے تھے۔ اِدھر سے اُدھر جاتے۔ خوب صورت شکلیں بناتے۔ پاس آتے۔ دور جاتے۔ پھر پاس آتے۔ یوں جیسے وہ یک دم ہنسوں کی طرح زندہ ہو گئے تھے۔ جھیل کے نیلے پانی پر وہ سفید کنول اپنے سبز خوب صورت پتوں کے ساتھ ہونے والی مسلسل حرکت سے پانی میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔ وہ بے خود ہو رہی تھی یا بے اختیار۔ وہ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ سمجھنا اب ضروری بھی نہیں تھا۔

جھیل کے نیلے پانی پر رقص کرتے لاتعداد خوب صورت پھولوں کے بیچ اس نے پانی میں یک دم کسی عکس کو نمودار ہوتے دیکھا۔ کشتی میں بیٹھے بیٹھے وہ چونک کر مڑی اور پھر وہ بے ساختہ کھڑی ہو گئی۔ کشتی دوسرے کنارے کے پاس آ گئی تھی اور وہاں۔۔۔ وہاں۔۔۔ کچھ تھا۔

K

♠

ٹیلی اسکوپ سے اس نے ایک بار پھر اس بینکوئٹ ہال کی کھڑکی سے اندر نظر ڈالی۔ ہال میں سیکورٹی کے لوگ اپنی اپنی جگہوں پر مستعد تھے۔ کیٹرنگ اسٹاف بھی اپنی اپنی جگہ پر تھا۔ اس بینکوئٹ ہال کا داخلی دروازہ اس قد آدم کھڑکی کے بالکل سامنے تھا جس کھڑکی کے بالمقابل ساٹھ فٹ چوڑی دو رویہ مین روڈ کے پار ایک عمارت کی تیسری منزل کے ایک اپارٹمنٹ میں وہ موجود تھا۔ اس اپارٹمنٹ کے بیڈ روم کی کھڑکی کے سامنے ایک کرسی رکھے وہ ایک جدید اسنائپر رائفل کی ٹیلی اسکوپ سائٹ سے کھڑکی کے پردے میں موجود ایک چھوٹے سے سوراخ سے اس بینکوئٹ ہال میں جھانک رہا تھا۔ بینکوئٹ ہال کا داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا اور کوریڈور میں استقبالی قطار اپنی پوزیشن لے چکی تھی۔ اس کی گھڑی پر 9:02 بجے تھے۔ مہمان نو بجکر پندرہ منٹ پر اس کوریڈور میں داخل ہونے والا تھا اور تقریباً ایک گھنٹہ اور پندرہ منٹ وہاں گزارنے کے بعد وہ وہاں سے جانے والا تھا۔ مہمان کے اس ہوٹل میں پہنچنے سے اس کی روانگی کے بعد تک اس علاقے میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے لیے ہر طرح کا مواصلاتی رابطہ جام ہونے والا تھا۔ یہ سیکورٹی کے ہائی الرٹ کی وجہ سے تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ کے لیے وہاں سیل فون اور متعلقہ کوئی

ڈیوائسز کام نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن وہ ایک پروفیشنل ہٹ مین تھا۔ اس سے پہلے بھی اسی طرح کے ہائی الرٹس میں کامیابی سے کام کرتا رہا تھا۔ اس کو ہائر کرنے کی وجہ بھی اس کی کامیابی کا تناسب تھا جو تقریباً "نوے فیصد تھا۔ وہ صرف دو لوگوں کو مارنے میں ناکام رہا تھا اور اس کی وجہ اس کے نزدیک اس کی بری قسمت تھی۔ پہلی بار اس کی رائفل لاسٹ سیکنڈز میں اس اسٹینڈ سے ہل گئی تھی جس پر وہ رکھی تھی اور دوسری بار۔۔۔ خیر دوسری بار کا قصہ طویل تھا۔

وہ پچھلے دو مہینے سے اس اپارٹمنٹ میں رہ رہا تھا۔ اس دن سے تقریباً" ایک مہینہ پہلے سے جب یہ ہوٹل اس بینکوئٹ کے لیے مختص کیا گیا تھا۔ جنہوں نے اسے اس اہم کام پر مامور کیا تھا۔ اس تقریب کے لیے اس ہوٹل اور ہوٹل کے اس بینکوئٹ ہال کا انتخاب کرنے والے بھی وہی تھے۔

اس مہمان کو ختم کرنے کا فیصلہ چار ماہ پہلے ہوا تھا۔ وقت، جگہ اور قاتل کا انتخاب بے حد ماہرانہ طریقے سے بڑے غور و خوض کے بعد کیا گیا تھا۔ اس مہمان کے سال کی مکمل مصروفیات کے شیڈول میں سے مقام، ملک اور ممکنہ قاتلوں کے نام شارٹ لسٹ کیے گئے تھے۔ پھر ہر جگہ اور تاریخ پر ہونے والے اس حادثے کے اثرات پر سیر حاصل بحث کی گئی تھی۔ فوری اثرات اور اس سے نمٹنے کی حکمت عملی پر بات کی گئی تھی۔ ممکنہ ردعمل کے نقصانات سے بچنے کے لیے منصوبے تیار کیے گئے تھے۔ ایک قاتلانہ حملے کے ناکام ہو جانے کی صورت میں ہونے والے ممکنہ ردعمل اور نقصانات پر غور کیا گیا تھا اور ہر میٹنگ کے بعد "کام" کی جگہیں اور تاریخیں بدلتی رہی تھیں، لیکن قاتل ایک ہی رہا تھا۔ کیونکہ وہ موزوں ترین تھا۔

اس شہر میں اس تاریخ پر اس تقریب کے لیے سیکورٹی کی وجوہات کے باعث تین مختلف ہوٹلز کا نام لسٹ میں رکھا گیا تھا، لیکن اسے ہائر کرنے والے جانتے تھے کہ تقریب کہاں ہوگی۔

اس کو دو ماہ پہلے ہی اس اپارٹمنٹ میں رہائش پذیر ستائیس سالہ لڑکی سے دوستی کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ اس لڑکی کے چار سالہ پرانے بوائے فرینڈ سے بریک اپ کے لیے ایک پروفیشنل کال گرل کا استعمال کیا گیا تھا جو اس کے کار ڈیلر بوائے فرینڈ سے ایک کار خریدنے کے بہانے ملی تھی اور اسے ایک ڈرنک کی آفر کر کے ایک موٹل لے گئی تھی۔

اس کال گرل کے ساتھ گزارے ہوئے وقت کی ریکارڈنگ دوسرے دن اس لڑکی کو میل میں موصول ہو گئی تھی۔ اس کا بوائے فرینڈ نشے میں تھا اسے پھنسایا گیا تھا۔ اور یہ سب ایک غلطی تھی، لیکن اس کے بوائے فرینڈ کی کوئی تاویل، اس کے غصے اور رنج کو کم نہیں کر سکی تھی۔ اس کی گرل فرینڈ کے لیے یہ بات اس لیے بھی زیادہ تکلیف دہ تھی۔ زیادہ ناقابل برداشت تھی، کیونکہ وہ تین ہفتے بعد شادی کرنے والے تھے۔ اس نے اپنے بوائے فرینڈ کا سامان گھر کے دروازے سے باہر نہیں پھینکا تھا۔ اسے اپارٹمنٹ کی کھڑکی سے باہر پھینکا تھا۔ سڑک پر بکھرے سامان کو اکٹھا کرتے ہوئے خود کو اور اس کال گرل کو کوستے ہوئے بھی اس کا بوائے فرینڈ یہ سوچ رہا تھا کہ چند ہفتوں میں اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور وہ دونوں دوبارہ اکٹھے ہو جائیں گے۔ جنہوں نے ان کا تعلق ختم کروایا تھا۔ انہیں اس بات کا اندیشہ بھی تھا۔ چنانچہ معاملات کو پوائنٹ آف نو ریٹرن تک پہنچانے کے لیے اس لڑکے کے کمپیوٹر کو ہیک کیا گیا تھا۔ اس کی اور اس کی گرل فرینڈ کی بے حد قابل اعتراض تصویروں کو اس کی ای میل آئی ڈی کے ساتھ بہت ساری ویب سائٹس پر اپ لوڈ کر دیا گیا تھا۔

یہ جیسے تابوت میں آخری کیل تھی۔ اس لڑکی نے اپنے بوائے فرینڈ کی ای میل آئی ڈی سے بھیجا ہوا پیغام پڑھا تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ اس نے اپنے بریک اپ کے بعد اس کی ساری پکچرز کو قابل اعتراض ویب سائٹس پر اپ لوڈ کر دیا ہے۔ اس کی گرل فرینڈ نے پہلے وہ لنکس وزٹ کیے تھے۔ پھر اپنے بوائے فرینڈ کی اس کال گرل کے ساتھ ویڈیو کو اپ لوڈ کیا تھا اور اس کے بعد اپنے سابقہ بوائے فرینڈ کو اس کے شوروم میں جا کر اس کے کسٹمرز کے

سامنے اس وقت پیا تھا جب وہ انہیں ایک جدید ماڈل کی گاڑی تقریباً "بیچنے" میں کامیاب ہو چکا تھا۔

"Happy families drive this car" اس نے تقریباً چھپن بار یہ جملہ اس جوڑے کے سامنے دہرایا تھا جو ٹیسٹ ڈرائیو کے لیے وہاں موجود تھے اور اس کے ساتھ اس نے ایک سو چھپن بار یہ جھوٹ بھی بولا تھا کہ کس طرح خود بھی اس کار کو ذاتی استعمال میں رکھنے کی وجہ سے اس کا اور اس کی گرل فرینڈ کا ریلیشن شپ مضبوط ہوا تھا۔ اس کے بوائے فرینڈ کو مار کھانے پر اتنا شاک نہیں لگا تھا۔ چار سالہ کورٹ شپ میں وہ اپنی گرل فرینڈ کے ہاتھوں اس شہر کی تقریباً "ہر مشہور پبلک پلیس پر پٹ چکا تھا اور یہ تو بہرحال اس کا اپنا شوروم تھا۔ جتنا اسے اپنی گرل فرینڈ کے الزام سن کر شاک لگا تھا۔

اس کے چیخنے چلانے اور صفائیاں دینے کے باوجود اس کی گرل فرینڈ کو یقین تھا کہ اس نے شراب کے نشے میں یہ حرکت کی ہوگی۔ ورنہ اس کی ذاتی لیپ ٹاپ میں موجود تصویریں اس کے ای میل ایڈریس کے ساتھ کون اپ لوڈ کر سکتا تھا۔

اس بریک اپ کے ایک ہفتے کے بعد وہ نائٹ کلب میں اس سے ملا تھا۔ چند دن ان کی ملاقاتیں اسی بے مقصد انداز میں ہوتی رہی تھیں۔ وہ میڈیکل ٹیکنیشن تھی اور اس نے اپنا تعارف پینٹر کے طور پر کروایا تھا۔ وہ ہر بار اس لڑکی کی ڈرنکس کی قیمت خود ادا کرتا رہا تھا۔ چند دن کی ملاقاتوں کے بعد اس نے اسے گھر پہ مدعو کیا تھا اور اس کے بعد وہاں اس کا آنا جانا زیادہ ہونے لگا تھا۔ وہ اس بلڈنگ کے افراد کو ایک ریگولر وزیٹر کا تاثر دینا چاہتا تھا اور دو ماہ کے اس عرصے میں وہ اس اپارٹمنٹ کی دوسری چابی بنوا چکا تھا اور ایک ہفتہ پہلے وہ اس لڑکی کی عدم موجودگی میں اس کے اپارٹمنٹ پر وہ سنائپر رائفل اور کچھ دوسری چیزیں بھی منتقل کر چکا تھا۔ وہ جانتا تھا اس تقریب سے ایک ہفتہ پہلے اس علاقے کی تمام عمارتوں پر سیکورٹی چیک ہوگا۔ وہ تب ایسا کوئی بیگ اسکریننگ کے بغیر عمارت میں منتقل نہیں کر سکے گا اور اس وقت بھی اس علاقے کی تمام بلڈنگز بے حد ٹائٹ سیکورٹی میں تھیں۔ وہ ایک ریگولر وزیٹر نہ ہوتا تو اس وقت اس بلڈنگ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

اس بلڈنگ سے پچاس میل دور اس کی گرل فرینڈ کو اسپتال میں کسی ایمرجنسی کی وجہ سے روک لیا گیا تھا۔ ورنہ اس وقت وہ اپنے اپارٹمنٹ پر ہوتی۔ پارکنگ میں کھڑی اس کی کار کے چاروں ٹائر پنکچر تھے اور اگر وہ ان دونوں چیزوں سے کسی نہ کسی طرح بچ کر پھر بھی گھر روانہ ہو جاتی تو راستے میں اس کو چیک کرنے کے لیے کچھ اور بھی انتظامات کیے گئے تھے۔

نو بج کر تیرہ منٹ ہو رہے تھے۔ وہ اپنی رائفل کے ساتھ مہمان کے استقبال کے لیے بالکل تیار تھا۔ جس کھڑکی کے سامنے وہ تھا ہوٹل کے اس بینکوئٹ ہال کی وہ کھڑکی بلٹ پروف شیشے کی بنی تھی۔ ڈبل گلیزڈ بلٹ پروف شیشہ۔ یہی وجہ تھی کہ ان ونڈوز کے سامنے کوئی سیکورٹی اہلکار تعینات نہیں تھے۔ تعینات ہوتے تو اسے نشانہ باندھنے میں یقیناً "دقت ہوتی" لیکن اس وقت اسے پہلی بار یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اسے اس سے پہلے کسی کو مارنے کے لیے اتنی جامع سہولیات نہیں ملی تھیں۔ مہمان کو کوریڈور میں چلتے ہوئے آنا تھا۔ ایلویٹر سے نکل کر کوریڈور میں چلتے ہوئے بینکوئٹ ہال کے داخلی دروازے تک اس مہمان کو شوٹ کرنے کے لیے اس کے پاس پورے دو منٹ کا وقت تھا۔ ایک بار وہ بینکوئٹ ہال میں اپنی ٹیبل کی طرف چلا جاتا تو اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا لیکن دو منٹ کا وقت اس جیسے پروفیشنل کے لیے دو گھنٹے کے برابر تھا۔

اس بینکوئٹ ہال کی تمام کھڑکیاں بلٹ پروف تھیں۔ صرف اس کھڑکی کے سوا جس کے سامنے وہ تھا۔ تین ہفتے پہلے بظاہر ایک اتفاقی حادثے میں اس کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا۔ اسے تبدیل کروانے میں ایک ہفتہ لگا تھا اور تبدیل کیا جانے والا شیشہ ناقص تھا۔ یہ صرف وہی لوگ جانتے تھے جنہوں نے یہ سارا منصوبہ بنایا تھا۔ اسٹیج تیار تھا اور اس پر وہ فنکار آنے والا تھا جس کے لیے یہ ڈراما کھیلا جا رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عمیرہ احمد

1,2

عمیرہ احمد

3

"مجھے ہاتھ دکھانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" اس نے دوٹوک انکار کرتے ہوئے کہا۔
"لیکن مجھے ہے۔" وہ اصرار کر رہی تھی۔

"یہ سب جھوٹ ہوتا ہے۔" اس نے بچوں کی طرح اسے بہلایا۔
"تو کیا پلٹ نہیں دکھانے میں کیا حرج ہے۔" اس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔
"تم کیا جاننا چاہتی ہو اپنے مستقبل میں کے بارے میں... مجھ سے پوچھ لو۔"
وہ اسے اس پامسٹ کے پاس لے جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ جو اس فائیو اسٹار ہوٹل کی لابی میں تھا جہاں وہ کچھ دیر پہلے کھانا کھانے کے لیے آئے تھے اور کھانے کے بعد اس کی بیوی کو پتا نہیں کہاں سے وہ پامسٹ یاد آ گیا تھا۔

"ویری فنی!" اس نے مذاق اڑایا تھا۔ "اپنے مستقبل کا تو تمہیں پتا نہیں، میرے کا کیسے ہو گا؟"
"کیوں تمہارا اور میرا مستقبل ساتھ ساتھ نہیں ہے کیا؟" اس نے مسکرا کر اسے جتایا تھا۔
"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں پامسٹ کے پاس چلتے ہیں اس سے پوچھتے ہیں۔" اس کا اصرار بڑھا تھا۔
"دیکھو! ہمارا۔ "آج" ٹھیک ہے۔ بس کافی ہے۔ "تمہیں "کل" کا مسئلہ کیوں ہو رہا ہے؟" وہ اب بھی رضامند نہیں ہو رہا تھا۔
"مجھے ہے کل کا مسئلہ..." وہ کچھ جھلا کر بولی تھی، اسے شاید یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس کی فرمائش پر اس طرح کے ردعمل کا اظہار کرے گا۔
"کتنے لوگ ہاتھ دکھا کر جاتے ہیں اس پامسٹ کو... تمہیں پتا ہے۔ میری کولیگز کو اس نے ان کے فیوچر کے بارے میں کتنا کچھ ٹھیک بتایا تھا۔ بھابھی کی بھی کتنی کزنز آئی تھیں اس کے بارے میں..."
وہ اب اسے قائل کرنے کے لیے مثالیں دے رہی تھی۔

”بھابھی آئی تھیں اس کے پاس؟“ اس نے چونک کر پوچھا تھا۔
”نہیں۔“ وہ ا ٹکی۔
”تو؟“
”تو یہ کہ ان کو انٹرسٹ نہیں ہوگا... مجھے تو ہے... اور تم نہیں لے کر جاؤ گے تو میں خود چلی جاؤں گی۔“ وہ یک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔
”کب؟“
”ابھی۔“

وہ بے اختیار ہنسا اور اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے اس سے کہا۔
”پامسٹ کو ہاتھ دکھانا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے اور میں تم سے ایسی کسی حماقت کی توقع نہیں کرتا تھا‘ لیکن اب تم ضد کر رہی ہو تو ٹھیک ہے... تم دکھا لو ہاتھ۔“
”تم نہیں دکھاؤ گے؟“ اس کے ساتھ لابی کی طرف جاتے ہوئے اس نے کہا۔
”نہیں۔“ اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔
”چلو‘ کوئی بات نہیں۔ خود ہی تو کہہ رہے ہو کہ میرا اور تمہارا مستقبل ایک ہے تو جو کچھ میرے بارے میں بتائے گا وہ پامسٹ‘ وہ تمہارے بارے میں بھی تو ہوگا۔“ وہ اب اسے چھیڑ رہی تھی۔
”مثلاً؟“ اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے اس سے پوچھا۔
”مثلاً“... اچھی خوش گوار ازدواجی زندگی اگر میری ہوگی تو تمہاری بھی تو ہوگی۔“
”ضروری نہیں ہے۔“ وہ اسے تنگ کر رہا تھا۔
”ہو سکتا ہے شوہر کے طور پر میری زندگی بری گزرے تمہارے ساتھ۔“

”تو مجھے کیا؟ میری تو اچھی گزر رہی ہوگی۔“ اس نے کندھے اچکا کر اپنی بے نیازی دکھائی۔
”تم عورتیں بڑی سیلفش (خود غرض) ہوتی ہو۔“ اس نے ساتھ چلتے ہوئے جیسے اس کے رویے کی مذمّت کی۔
”تو نہ کیا کرو‘ پھر ہم سے شادی... نہ کیا کرو ہم سے محبت... ہم کون سا مری جا رہی ہوتی ہیں تم مردوں کے لیے؟“ اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا تھا۔ وہ ہنس پڑا‘ چند لمحوں کے لیے وہ واقعی لاجواب ہو گیا تھا۔
”ہاں... ہم ہی مرے جا رہے ہوتے ہیں تم لوگوں پر... عزّت کی زندگی راس نہیں آتی‘ شاید اس لیے۔“ وہ چند لمحوں بعد بڑبڑایا۔
”تمہارا مطلب ہے تم شادی سے پہلے عزّت کی زندگی گزار رہے تھے؟“ وہ یک دم برا مان گئی تھی۔
”ہم شاید جنرلائز کر رہے تھے۔“ وہ اس کا بدلتا موڈ دیکھ کر گڑبڑایا۔
”نہیں... تم صرف اپنی بات کرو۔“
”تم اگر ناراض ہو رہی ہو تو چلو پھر پامسٹ کے پاس نہیں جاتے۔“ اس نے بے حد سہولت سے اسے موضوع سے ہٹایا تھا۔
”نہیں‘ میں کب ناراض ہوں‘ ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔“ اس کا موڈ ایک لمحہ میں بدلا تھا۔
”ویسے تم پوچھو گی کیا پامسٹ سے؟“ اس نے بات کو مزید گھمایا۔

”بڑی چیزیں ہیں۔“ اس نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا‘ مگر تب تک وہ پامسٹ کے پاس پہنچ چکے تھے۔
ایک طرف رکھی کرسی پر بیٹھا وہ غیر دلچسپی سے اپنی بیوی اور پامسٹ کی ابتدائی گفتگو سنتا رہا‘ لیکن اسے اپنی بیوی کی دلچسپی اور سنجیدگی دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔
پامسٹ اب اس کا ہاتھ پکڑے عدسے کی مدد سے اس کی لکیروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے بے حد سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔
”لکیروں کا علم نہ تو حتمی ہوتا ہے‘ نہ ہی الہامی... ہم صرف وہی بتاتے ہیں جو لکیریں بتا رہی ہوتی ہیں۔ بہرحال مقدر بنانا‘ سنوارنا اور بگاڑنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔“
وہ بات کرتے کرتے چند لمحوں کے لیے رکا‘ پھر اس نے جیسے اس کے ہاتھ پر حیرانی سے کچھ دیکھتے ہوئے بے اختیار اس کا چہرہ دیکھا اور پھر برابر کی کرسی پر بیٹھے اس کے شوہر کو جو اس وقت اپنے بلیک بیری پر کچھ میسجز دیکھنے میں مصروف تھا۔
”بڑی حیرانی کی بات ہے۔“ پامسٹ نے دوبارہ ہاتھ دیکھتے ہوئے کہا۔
”کیا؟“ اس نے کچھ بے تاب ہو کر پامسٹ سے پوچھا۔
”آپ کی یہ پہلی شادی ہے؟“
بلیک بیری پر اپنے میسج چیک کرتے کرتے اس نے چونک کر پامسٹ کو دیکھا۔ اس کا خیال تھا‘ یہ سوال اس کے لیے ہے‘ لیکن پامسٹ کی مخاطب اس کی بیوی تھی۔
”ہاں...“ اس کی بیوی نے کچھ حیران ہو کر پہلے پامسٹ اور پھر اسے دیکھ کر کہا۔
”اوہ! اچھا...“ پامسٹ پھر کسی غور و خوض میں مبتلا ہو گیا تھا۔
”آپ کے ہاتھ پر دوسری شادی کی لکیر ہے... ایک مضبوط لکیر... ایک خوش گوار‘ کامیاب دوسری شادی۔“ پامسٹ نے اس کا ہاتھ دیکھتے ہوئے جیسے حتمی انداز میں کہا۔ اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر اپنے شوہر کو دیکھا۔ وہ اپنی جگہ پر بالکل ساکت تھا۔

✡ ✡ ✡

آدم و حوّا

اس کے پیروں کے نیچے وہ زمین جیسے سبز مخمل کی تھی... مخمل... یا کچھ اور تھا... تاحد نظر زمین پر سبزے کی طرح پھیلا ہوا... درختوں پر اگنے والی پہلی کونپلوں جیسا سبز... اور پھر ایک دم سمندر کے اندر پیدا ہونے والی کائی جیسی رنگت لیے... نمی کے ننھے ننھے قطرے اپنے وجود پر لیے سبزے کی پتیاں معطر ہوا کے جھونکوں سے ہلتی جیسے کسی رقص میں مصروف تھیں... پانی کے ننھے شفاف موتی سبز پتیوں کے وجود پر پھسل رہے تھے‘ سنبھل رہے تھے یوں جیسے مخمور ہو کر بہک رہے ہوں۔ پتیوں کے وجود سے لپٹتے‘ ڈگمگاتے‘ سنبھلتے‘ پھسلتے... پھر ہوا کا ایک ہلکا چلتا سبزے میں ایک لہر اٹھتی‘ سمندر میں جوار بھاٹا کی پہلی لہر کی طرح اٹھتی‘ رقص کرتی‘ لہراتی وہ سبزے کو

سہلاتی، بہلاتی ایک عجیب سی سرشاری میں مبتلا کرتی ایک طرف سے دوسری طرف گزر جاتی۔ زمین جیسے رقص کرنے میں مصروف تھی۔

سبزے کا وجود ننھے ننھے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔۔۔ ہر رنگ کے پھولوں سے۔۔۔ اتنے رنگ اور ایسے رنگ، جو نظر کو ششدر کر دیں۔ سبزے کے وجود پر بکھرے وہ ننھے ننھے پھول یہاں سے وہاں ہر جگہ تھے۔ سبزے میں ہوا سے پیدا ہونے والی ہر لہر اور ہر موج کے ساتھ وہ بھی عجیب مستی اور سرشاری سے رقص کرنے لگتے۔

آسمان صاف تھا۔۔۔ آنکھوں کو سکون دینے والا ہلکا نیلا اور اب بھی کسی گنبد کی طرح پھیلا ہوا۔۔۔ گہرا اونچا۔۔۔ بہت اونچا۔۔۔ یہاں سے وہاں تک ہر طرف۔

ہوا معطر تھی، مخمور تھی، گنگنا رہی تھی۔ وہاں موجود ہر شے کے ساتھ اٹھکھیلیاں کر رہی تھی۔ ہنستی، چھیڑ کر جاتی پھر پلٹ کر آتی۔۔۔ کبھی بہلاتی۔۔۔ کبھی تھپکتی۔۔۔ کبھی تھمتی۔۔۔ پھر چلتی۔۔۔ پھر گنگناتی۔۔۔ پھر لہراتی۔۔۔ وہاں تھی، نہیں تھی۔۔۔ کہاں تھی؟

وہ کسی راستے پر تھا۔۔۔ کیا راستہ تھا۔۔۔! وہ کسی انتظار میں تھا، کیا انتظار تھا۔۔۔! اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ اس راستے کے دونوں طرف دو رویہ درختوں کی قطار کے ایک درخت کے ساتھ وہ ٹکا کھڑا تھا۔ سہارا لیے یا سہارا دیے۔

وہ آ گئی تھی۔۔۔ اس نے بہت دور اس راستے پر اسے نمودار ہوتے دیکھ لیا۔

وہ سفید لباس میں ملبوس تھی۔ بہت مہین بہت نفیس۔۔۔ وہ ریشم تھا۔۔۔؟ اطلس تھا۔۔۔؟ کمخواب یا وہ کچھ اور تھا؟ اتنا ہلکا۔۔۔ اتنا نازک کہ ہوا کا ہلکا سا جھونکا اس سفید گاؤن نما لباس کو اڑانے لگتا۔۔۔ اس کی دودھیا پنڈلیاں نظر آنے لگتیں۔ وہ ننگے پاؤں تھی اور سبزے پر دھرے اس کے خوب صورت پاؤں جیسے سبزے کی نرمی کو برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ پاؤں رکھتی چند لمحوں کے لیے لڑکھڑاتی۔۔۔ جیسے مخمور ہو کر ہنستی۔۔۔ پھر سنبھل جاتی۔۔۔ پھر بڑے اشتیاق سے ایک بار پھر قدم آگے بڑھا دیتی۔

اس کے سیاہ بال ہوا کے جھونکوں سے اس کے شانوں اور اس کی کمر تک ہلکورے کھا رہے تھے۔ اس کے گالوں اور چہرے کو چومتے آگے پیچھے جا رہے تھے۔۔۔ اس کے چہرے پر آتے۔۔۔ اس کے سینے سے لپٹتے۔۔۔ اس کے کندھے پر، پھر ہوا میں لہرا کر ایک بار پھر نیچے چلے جاتے۔ وہ خوب صورت سیاہ چمک دار ریشمی زلفیں جیسے اس کے سفید لباس کے ساتھ مل کر اس کے وجود کے ساتھ رقص کرنے میں مصروف تھیں۔

اس کے مرمریں وجود پر وہ سفید لباس جیسے پھسل رہا تھا۔۔۔ سنبھالے نہیں سنبھل رہا تھا۔۔۔ ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ وہ اس کے جسم کے خدوخال کو نمایاں کرتا، اسے پیروں سے کندھوں تک چومتا۔۔۔ اس کے وجود کے لمس سے مخمور ہوتا۔۔۔ ہوش کھوتا۔۔۔ دیوانہ وار اس کے وجود کے گرد گھومتا۔۔۔ کسی بھنور کی طرح اس کے جسم کو اپنی گرفت میں لیتا اس سے لپٹ رہا تھا۔ ہوا کا دوسرا جھونکا اس کی سیاہ ریشمی زلفوں کو بھی اس رقص میں شامل کر دیتا۔۔۔ وہ اس کے کندھوں اور کمر پر والہانہ انداز میں پھسلتیں۔۔۔ ہوا میں ہلکا سا اڑتیں پھر نرمی اور ملائمت سے اس کے چہرے اور سینے پر گرتیں۔۔۔ اس کے وجود سے پھوٹتی خوشبو سے یک دم سرشار ہوتیں۔۔۔ پھر اس کے جسم کو جیسے اپنے وجود سے چھپانے کی کوشش کرنے لگتیں۔ ہوا کا ایک اور جھونکا انہیں ہولے سے اٹھا کر پھر پیچھے پھینک دیتا۔

اس رقص میں اب پھر اس کے سفید لباس کی باری تھی۔۔۔ وہ آگے بڑھ آیا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ عجیب سی حیرت میں مبتلا وہاں کی ہر شے کو سحر زدہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔۔۔ بچوں جیسی حیرت اور اشتیاق کے ساتھ۔

اس راستے پر چلتے چلتے اس نے اسے دیکھ لیا۔۔۔ اس کے قدم تھمے، دونوں کی نظریں ملیں پھر اس کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ آئی۔۔۔ پہلے مسکراہٹ پھر ہنسی۔۔۔ اس نے اسے پہچان لیا تھا۔۔۔ وہاں موجود وہ واحد وجود تھا، جسے وہ پہچانتی تھی۔

اس نے ہاتھ بڑھایا۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس کے قریب آ گئی۔ دونوں ایک عجیب سی سرشاری میں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے۔

اس کی گہری سیاہ مسکراتی ہوئی آنکھیں، ہیرے کی کنیوں کی طرح چمک رہی تھیں اور یہ چمک اسے دیکھ کر بڑھ گئی تھی۔ اس کے خوب صورت گلابی ہونٹوں پر نمی کی ہلکی سی تہہ تھی یوں جیسے وہ ابھی کچھ پی کر آئی ہو۔۔۔ اس کی ٹھوڑی ہمیشہ کی طرح اٹھی ہوئی تھی۔ اس کی صراحی دار گردن کو دیکھتے ہوئے اس نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی اپنی گرفت میں لے لیا۔۔۔ اس کی آنکھوں کی چمک اور اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔۔۔ وہ جیسے اس لمس سے واقف تھی، پھر وہ دونوں بے اختیار ہنسے۔

"تم میرا انتظار کر رہے تھے؟"

"ہاں۔"

"بہت دیر کر دی؟"

"نہیں۔۔۔ بہت زیادہ نہیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے اس راستے پر چلنے لگا۔

ہوا ابھی بھی ان دونوں کے وجود کے ساتھ اور وہاں موجود ہر شے کے ساتھ اٹھکھیلیاں کرنے میں مصروف تھی۔

وہ اب بھی بچوں جیسی حیرت اور خوشی کے ساتھ وہاں موجود ہر شے کو کھوجنے میں مصروف تھی۔ اس کی کھلکھلاہٹ اور شفاف ہنسی وہاں فضا کو ایک نئے رنگ سے سجانے لگے تھے۔ فضا میں یک دم ایک عجیب دلفریب سا ساز بجنے لگا تھا۔۔۔ وہ ٹھٹھکی، پھر بے اختیار کھلکھلائی۔۔۔ اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے اس نے اس راستے پر قدم آگے بڑھائے، پھر مڑ نے اسے دونوں بازو ہوا میں پھیلائے رقص کے انداز میں گھومتے دیکھا۔۔۔ وہ بے اختیار ہنسا۔ وہ اس راستے پر کسی ماہر بیلے رینا کی طرح رقص کرتی دور جا رہی تھی۔ اس کے جسم پر موجود سفید لباس اس کے گھومتے جسم کے گرد ہوا میں اب کسی پھول کی طرح رقصاں تھا۔ وہ اب آہستہ آہستہ ہوا میں اٹھنے لگی تھی۔۔۔ ہوا کے معطر جھونکے بڑی نرمی سے اسے جیسے اپنے ساتھ لیے جا رہے تھے۔ وہ اب بھی اسی طرح ہنستی، رقص کے انداز میں بازو پھیلائے گھوم رہی تھی۔ وہ سحر زدہ اسے دیکھتا رہا۔۔۔ وہ اب کچھ گنگنا رہی تھی، فضا میں یک دم کوئی ساز بجنے لگا تھا۔ پہلے ایک۔۔۔ پھر دوسرا۔۔۔ پھر تیسرا۔۔۔ پھر بہت سارے۔۔۔ پوری کائنات یک دم جیسے کسی سمفنی میں ڈھل گئی تھی اور وہ اب بھی ہوا میں رقصاں تھی۔ کسی مخملیں پر کی طرح ہوا کے دوش پر اوپر نیچے جاتے، وہ سحر زدہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی ساتھی رقص کرتے ہوئے ایک بار پھر اسے دیکھ کر کھلکھلا کر ہنسی، پھر اس نے اپنا ایک ہاتھ بڑھایا یوں جیسے اسے اپنے پاس آنے کی دعوت دے رہی ہو۔ وہ ہنس پڑا

وہ ہاتھ بڑھاتی اور وہ کھنچا چلا آتا۔۔۔

وہ بھی اس کا ہاتھ پکڑے اب فضا میں رقصاں تھا۔۔۔ زمین سے دور۔۔۔ اس کے قریب۔۔۔ اس کے ساتھ۔۔۔ یک دم وہ رکی، جیسے کائنات ٹھہر گئی ہو۔ وہ اب آسمان کو دیکھ رہی تھی پھر یک دم آسمان تاریک ہو گیا۔۔۔ دن رات میں

بدل گیا تھا... اور رات دن سے بڑھ کر خوبصورت تھی... سیاہ آسمان خوب صورت چمکتے ہوئے ستاروں سے سجا ہوا تھا... ہر رنگ کے ستاروں سے... اور ان سب کے درمیان چاند تھا... کسی داغ کے بغیر روشنی کا منبع۔

دن کی روشنی اجلی تھی... سکون آور تھی... مدہوش کر دینے والی تھی۔ رات کی روشنی میں بے شمار رنگ تھے' کائنات میں ایسے رنگ انہوں نے کب دیکھے تھے... کہاں دیکھے تھے۔ زمین جیسے ہر رنگ کی روشنی میں نہا رہی تھی۔ ایک ستارہ ٹمٹماتا... پھر دوسرا... پھر تیسرا... اور زمین پر کبھی ایک رنگ بڑھتا' کبھی دوسرا' کبھی تیسرا... آسمان کو جیسے کسی نے روشنیوں میں پرو دیا تھا۔

وہ اس کا ہاتھ پکڑے جیسے سرشاری کی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی... اس کی حیرت' اس کی سرشاری جیسے اسے محظوظ کر رہی تھی... گدگدا رہی تھی۔

وہ اب پھر زمین پر آ گئے تھے۔ رات ایک بار پھر دن میں بدل گئی تھی... سبزہ' پھول' پتے' مشکی معطر ہوا' سب وہیں تھے۔

اس کے ساتھ چلتے چلتے اس نے اپنے پیروں کے نیچے آتے مخملیں سبزے پر بجے پھولوں کو دیکھا پھر ہاتھ بڑھایا۔ اس کے ہاتھ میں وہ پھول آ گیا' پھر دوسرا' پھر تیسرا... پھر دور دور تک پھیلے سبزے کے سارے پھول جیسے کسی مقناطیس کی طرح اس کی طرف آئے تھے... سینکڑوں' ہزاروں' لاکھوں... لاتعداد' بے شمار' اتنے کہ اس کے ہاتھ سنبھال نہیں پائے تھے۔ وہ اب اس کے ہاتھوں پر... اب اس کے بالوں پر' اب اس کے لباس پر' اب اس کے جسم پر... وہ خوشی سے بے خود ہو رہی تھی' سرشار ہو رہی تھی۔ پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں ہوا میں اچھالا... وہ پلک جھپکتے میں آسمان کی طرف گئے... پورا آسمان پھولوں سے بھر گیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے پھر پھولوں کی بارش ہونے لگی تھی۔ وہ دونوں ہنس رہے تھے۔ پھولوں کو بارش کے قطروں کی طرح مٹھیوں میں بھرتے اور چھوڑتے' بھاگتے' کھلکھلاتے وہ سب پھول زمین پر گر کر ایک بار پھر سبزے میں اپنی اپنی جگہ سج گئے تھے... وہاں جہاں وہ تھے... وہیں جہاں انہیں ہونا چاہیے تھا۔

وہ ایک بار پھر آسمان کو دیکھ رہے تھے' وہاں اب بادل نظر آ رہے تھے۔ روئی کے گالوں جیسے حرکت کرتے بادل' وہ سب بادل وہاں جمع ہو رہے تھے' جہاں وہ کھڑے تھے... پھر اس نے آسمان پر بارش کا پہلا قطرہ دیکھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی ہتھیلی پر لیا۔ اس قطرے کو دیکھ کر دوبارہ ہنستے ہوئے آسمان کی طرف اچھال دیا... اس بار وہ قطرہ اوپر جا کر اکیلا واپس نہیں آیا تھا۔ وہ بہت سارے دوسرے قطروں کو ساتھ لے کر آیا تھا... بہت سارے نرم لمس کے گدگدانے والے قطرے... بارش برس رہی تھی اور وہ دونوں بچوں کی طرح ہنستے' کھلکھلاتے پانی کے ان قطروں کو ہاتھوں سے پکڑ کر ایک دوسرے پر اچھال رہے تھے... وہ بارش تھی' پانی تھا مگر وہ قطرے ان کے بالوں' ان کے جسم کو گیلا نہیں کر رہے تھے۔ وہ جیسے شفاف موتیوں کی بارش تھی' جو ان کے ہاتھ اور جسم کی ایک جنبش پر ان کے بالوں اور لباس سے الگ ہو کر دور جا گرتے... سبزے اور پھولوں کے اوپر اب بارش کے شفاف موتی جیسے قطروں کی ایک تہہ سی آ گئی تھی' یوں جیسے کسی نے زمین پر کوئی شیشہ پھیلا دیا ہو... اور وہ اس شیشے پر چل رہے تھے۔ ان کو اپنے سائے میں لیے وہ رکتے' ہاتھ ہلاتے' آسمان پر بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتے پھر اپنی طرف بلاتے وہ آسمان پر جیسے پانی سے مصوری کر رہے تھے۔

پھر جیسے وہ اس کھیل سے تھک گئی... وہ رکی... بارش تھمی... زمین سے پانی کے قطرے غائب ہونے لگے پھر بادل... چند ساعتوں میں آسمان صاف تھا۔ یوں جیسے وہاں کبھی بادل نام کی کوئی شے آئی ہی نہ ہو۔

وہ اب اس کا ہاتھ پکڑ رہا تھا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہیں کچھ دکھانا ہے۔" وہ مسکرایا۔

"کچھ اور بھی؟" اس کی خوشی کچھ اور بڑھی۔

"ہاں' کچھ اور بھی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا؟" اس نے بے ساختہ اس سے پوچھا تھا... وہ خاموشی سے مسکرا دیا۔

"کیا...؟" اس نے بچوں کی طرح اصرار کیا۔

وہ پہلے سے زیادہ پُراسرار انداز میں مسکرایا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے اسی نئے راستے کی طرف جا رہا تھا۔

پھر ان دونوں کو دور سے کچھ نظر آنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

سالار نے ہڑبڑا کر آنکھ کھولی۔ کمرے میں مکمل تاریکی تھی۔ وہ فوری طور پر سمجھ نہیں سکا کہ وہ کہاں ہے۔ اس کی سماعتوں نے دور کہیں کسی مسجد سے سحری کے آغاز کا اعلان سنا۔ اس کمرے کے گھپ اندھیرے کو کھلی آنکھوں سے کھوجتے ہوئے اسے اگلا خیال اس خواب اور امامہ کا آیا تھا... وہ کوئی خواب دیکھ رہا تھا' جس سے وہ بیدار ہوا تھا۔

مگر خواب میں وہ امامہ کو کیا دکھانے والا تھا' اسے کچھ یاد نہیں آیا... "امامہ!" اس کے دل کی دھڑکن جیسے ایک لمحے کے لیے رکی... وہ کہاں تھی؟ کیا پچھلی رات ایک خواب تھی؟

وہ یک دم جیسے کرنٹ کھا کر اٹھا۔ اپنی رکی سانس کے ساتھ اس نے دیوانہ وار اپنے بائیں جانب بیڈ ٹیبل لیمپ کا سوئچ آن کیا۔ کمرے کی تاریکی جیسے یک دم چھٹ گئی۔ اس نے برق رفتاری سے پلٹ کر اپنی دائیں جانب دیکھا اور پرسکون ہو گیا۔ اس کی رکی سانس چلنے لگی۔ وہ وہیں تھی۔ وہ "ایک خواب" سے کسی "دوسرے خواب" میں داخل نہیں ہوا تھا۔

یک دم آن ہونے والے بیڈ سائیڈ ٹیبل لیمپ کی تیز روشنی چہرے پر پڑنے پر امامہ نے نیند میں بے اختیار اپنے ہاتھ اور بازو کی پشت سے اپنی آنکھوں اور چہرے کو ڈھک دیا۔

سالار نے پلٹ کر لیمپ کی روشنی کو ہلکا کر دیا۔ وہ اسے جگانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس سے چند فٹ کے فاصلے پر تھی۔ گہری پرسکون نیند میں۔ اس کا ایک ہاتھ تکیے پر اس کے چہرے کے نیچے دبا ہوا تھا اور دوسرا اس وقت اس کی آنکھوں کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ اس کی ادھ کھلی ہتھیلی اور کلائی پر مہندی کے خوب صورت نقش و نگار تھے۔ مٹتے ہوئے نقش و نگار' لیکن اب بھی اس کے ہاتھوں اور کلائیوں کو خوب صورت بنائے ہوئے تھے۔

سالار کو یاد آیا' وہ مہندی کسی اور کے لیے لگائی گئی تھی... اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ آئی۔ اس نے بے اختیار چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کیں۔

کسی اور کے لیے؟

پچھلی ایک شام ایک بار پھر کسی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں گزر گئی تھی۔ اس نے سعیدہ اماں کے صحن میں اس چہرے کو نو سال کے بعد دیکھا تھا اور نو سال کہیں غائب ہو گئے تھے۔

وہ ذرا سا آگے جھکا اس نے بڑی نرمی سے اس کے ہاتھ کو اس کے چہرے سے ہٹا دیا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل لیمپ کی زرد روشنی میں اس سے چند انچ دور وہ اس پر جھکا' اسے مبہوت دیکھتا رہا۔ وہ گہرے سانس لیتی جیسے اسے زندگی دے رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے وہ جیسے کسی طلسم میں پہنچا ہوا تھا۔ بے حد غیر محسوس انداز میں اس نے امامہ کے

چہرے پر آئے کچھ بالوں کو اپنی انگلیوں سے بڑی احتیاط سے ہٹایا۔

✵ ✵ ✵

"میں لائٹ آف کر کے نہیں سو سکتا۔" امامہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس نے سالار کو سونے سے پہلے لائٹ آف کرنے کے لیے کہا تھا۔

فوری طور پر امامہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔۔۔ اگر وہ لائٹ آف کر کے نہیں سو سکتا تھا تو وہ لائٹ آن رکھ کر نہیں سو سکتی تھی' لیکن وہ یہ بات اسے اتنی بے تکلفی سے نہیں کہہ سکتی تھی' جتنے اطمینان سے وہ اسے کہہ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" الارم سیٹ کر کے سیل فون کو بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے دیکھ کر ٹھٹکا۔ وہ کمبل لپیٹے اسی طرح بیڈ پر بیٹھی جیسے کچھ سوچ رہی تھی۔ یہ سالار کے گھر اس کی پہلی رات تھی۔

"کچھ نہیں۔" وہ اپنے بال لپیٹتے ہوئے اپنا تکیہ سیدھا کرنے لگی۔

"تم شاید لائٹ آف کر کے سوتی ہو۔" سالار کو اچانک خود ہی احساس ہو گیا تھا۔ وہ بستر پر لیٹتے لیٹتے رک گئی۔

"ہمیشہ۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"پھر کچھ کرتے ہیں۔" سالار نے بے ساختہ گہرا سانس لے کر سر کھجاتے ہوئے کچھ سوچنے والے انداز میں کمرے کی لائٹس کا جائزہ لیا۔

"میں دیکھتا ہوں' دوسرے بیڈ روم میں زیرو کا بلب ہے اگر وہ۔۔۔" وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔ امامہ کے تاثرات سے اسے لگا کہ یہ حل بھی اس کے لیے قابل قبول نہیں تھا۔

"زیرو کے بلب کی کتنی روشنی ہوتی ہے!" سالار نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھ کر کہا۔

"کمرے میں تھوڑی سی بھی روشنی ہو تو میں نہیں سو سکتی۔ میں "اندھیرے" میں سوتی ہوں۔" اس نے پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنا مسئلہ بتایا۔

"عجیب عادت ہے۔" وہ بے ساختہ کہہ کر ہنسا۔

اس کی بات سے زیادہ اس کی ہنسی امامہ کو کھلی۔

"ٹھیک ہے' لائٹ آن رہنے دو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں۔۔۔ نو پرابلم میں اسے آف کر رہا ہوں۔"

دونوں بیک وقت اپنے اپنے موقف سے دست بردار ہوئے تھے۔

سالار نے لائٹ آف کر دی اور پھر سونے کے لیے خود بھی بستر پر لیٹ گیا لیکن وہ جانتا تھا' یہ اس کے لیے مشکل ترین کام تھا۔ مارگلہ کی پہاڑی پر آٹھ سال پہلے گزاری ہوئی اس ایک رات کے بعد وہ کبھی کمرے کی لائٹ بند کر کے نہیں سو سکا تھا' لیکن اس وقت اس نے مزید بحث نہیں کی۔ چند گھنٹوں کے بعد اسے دوبارہ سحری کے لیے اٹھ جانا تھا۔ وہ یہ چند گھنٹے بستر میں چپ چاپ لیٹ کر گزار سکتا تھا۔ ویسے بھی "اندھیرا" تھا' پر آج رات وہ "اکیلا" نہیں تھا۔

کچھ دیر دونوں کے درمیان مکمل خاموشی رہی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کا آغاز کیسے کریں۔۔۔ سالار کے لیے خاموشی کا یہ وقفہ زیادہ تکلیف دہ تھا۔

تاریکی میں امامہ نے سالار کو گہرا سانس لے کر کہتے سنا۔

"اب اگر اتنی بڑی قربانی دے رہا ہوں میں لائٹ آف کر کے تو "کوئی" ہاتھ ہی پکڑ لے۔" امامہ کو بے اختیار ہنسی آئی۔ وہ اندھیرے میں اس کے کچھ قریب ہوئی اور سالار کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تمہیں ڈر لگ رہا ہے کیا؟" اس کے لہجے میں نرمی اور اپنائیت تھی۔

"اگر ہاں کہوں گا تو کیا کرو گی؟" سالار نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا۔

"تسلی دوں گی اور کیا کروں گی۔" وہ محجوب ہوئی تھی۔

"جیسے اب دے رہی ہو؟" اسے امامہ کو تنگ کرنے میں مزا آ رہا تھا لیکن یہ جملہ کہنے سے پہلے اس نے اپنے سینے پر دھرے اس کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس کے متوقع جوابی عمل کو سالار سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ امامہ واقعی ہاتھ ہٹانے ہی والی تھی۔

"ڈر کیوں لگتا ہے تمہیں؟" امامہ نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"ڈر نہیں لگتا بس صرف سو نہیں سکتا۔"

"کیوں؟" وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

وہ فوری جواب نہیں دے سکا۔ مارگلہ کی وہ رات سالار کی نظروں میں گھومنے لگی تھی۔ امامہ چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کرتی رہی پھر بولی۔

"بتانا نہیں چاہتے۔۔۔؟" سالار کو حیرانی ہوئی۔ وہ کیسے اس کا ذہن پڑھ رہی تھی؟

"اور ایسا کب سے ہے؟" امامہ نے اپنے سوال کو بدل دیا تھا۔

"آٹھ سال سے۔" سالار نے جواب دیا۔

وہ مزید کوئی سوال نہیں کر سکی۔ اسے بھی بہت کچھ یاد آنے لگا تھا۔۔۔ آٹھ سال' آٹھ سال۔۔۔ وہ آٹھ سال سے اندھیرے سے خوف زدہ تھا۔۔۔ اور وہ نو سال سے روشنی سے خوف کھاتی پھر رہی تھی۔۔۔ دنیا سے چھپتی پھر رہی تھی۔ اس نے سالار سے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ ایک دوسرے کے وجود میں پیوست کانٹوں کو نکالنے کے لیے ایک رات ناکافی تھی۔ وہ اب اس کے ہاتھ کی پشت کو چوم کر اسے اپنی بند آنکھوں پر رکھ رہا تھا۔ امامہ بے اختیار رنجیدہ ہوئی۔

"میں لائٹ آن کر دیتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"نہیں۔۔۔ اندھیرا اچھا لگنے لگا ہے مجھے۔" وہ اسی طرح اس کا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھے بڑبڑایا تھا۔

✵ ✵ ✵

بہت نرمی سے جھک کر اس نے امامہ کے چہرے کو اپنے ہونٹوں سے چھوا۔ وہ اس سے باتیں کرتا کس وقت سویا تھا' اسے اندازہ نہیں ہوا اور اب وہ جاگا تھا تو اسے حیرت ہو رہی تھی۔ اندھیرے میں سونا اتنا مشکل اور اتنا ہولناک ثابت نہیں ہوا تھا' جتنا وہ سمجھتا رہا تھا۔

کمبل کو کچھ اوپر کھینچتے ہوئے اس نے اسے گردن تک ڈھانپ دیا اور پھر لیمپ آف کرتے ہوئے بڑی احتیاط سے بستر سے اٹھ گیا۔ ڈرائنگ روم کی طرف جاتے جاتے وہ اپنے سیل فون پر لگا الارم آف کر گیا۔

واش روم میں اس نے واش بیسن پر امامہ کے ہاتھ سے اتری کانچ کی کچھ چوڑیاں اور اس کے ایئر رنگز دیکھے۔ اس نے ایئر رنگز اٹھا لیے۔ وہ دیر تک انہیں اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھے دیکھتا رہا۔ وہ بہت خوب صورت تھے مگر اب پرانے ہو رہے تھے۔

جس وقت وہ نہا کر باہر نکلا' وہ تب بھی گہری نیند میں تھی۔ کمرے کی لائٹ آن کیے بغیر وہ دبے پاؤں بیڈ روم سے

باہر آگیا۔ بہت دور کسی مسجد میں کوئی نعت پڑھ رہا تھا یا حمد۔۔۔ آواز اتنی مدھم تھی کہ سمجھنا مشکل تھا۔ اس نے سٹنگ ایریا کی لائٹ آن کر دی۔ لائٹ آن کرتے ہی اس کی نظر سینٹر ٹیبل پر پڑے کافی کے دو مگز پر پڑی۔

وہ دونوں رات کو وہیں بیٹھے کافی پیتے ہوئے باتیں کرتے رہے تھے۔ صوفے پر اس کی اونی شال پڑی تھی جس میں وہ اپنے پاؤں چھپائے بیٹھی رہی تھی۔ رات ایک بار پھر جیسے کسی خواب کا قصہ لگنے لگی تھی۔۔۔ بے یقینی تھی کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آرہی تھی۔۔۔ خوش قسمتی تھی کہ اب بھی گمان بنی ہوئی تھی۔

وہ بھول گیا کہ وہ بیڈ روم سے یہاں کیا کرنے آیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ واقعی سب کچھ بھول گیا تھا۔ بس "وہ" تھی اور "وہ" تھی تو سب کچھ تھا۔

اس کے سیل پر آنے والی فرقان کی کال نے یک دم اسے چونکایا تھا۔ کال ریسیو کیے بغیر وہ بیرونی دروازے کی طرف گیا۔ وہ اسے سحری دینے آیا تھا۔

✷ ✷ ✷

اس کی آنکھ الارم کی آواز سے کھلی تھی۔ مندھی آنکھوں کے ساتھ اس نے لیٹے لیٹے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑے اس الارم کو بند کرنے کی کوشش کی لیکن الارم کلاک بند ہونے کے بجائے نیچے کارپٹ پر گر گیا۔ امامہ کی نیند یک دم غائب ہوئی تھی۔ الارم کی آواز جیسے اس کے اعصاب پر سوار ہونے لگی تھی۔ وہ کچھ جھلا کر اٹھی تھی۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل لیمپ آن کر کے وہ کمبل سے نکلی اور بے اختیار کپکپائی۔ سردی بہت تھی۔ اس نے کمبل ہٹاتے ہوئے بیڈ کی پائنتی کی طرف اپنی اونی شال ڈھونڈنے کی کوشش کی۔۔۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ اس نے جھک کر کارپٹ پر دیکھا۔ اسے یاد آیا کہ شال رات کو صوفے پر رکھی تھی، لیکن اس وقت وہ بیڈ روم سے نکلنے کی ہمت نہیں کر پائی۔ الارم اب بھی بج رہا تھا۔ مگر نظر اب بھی نہیں آرہا تھا۔ اس کی جھنجلاہٹ بڑھ گئی تھی۔ تب ہی اس نے اچانک کوئی خیال آنے پر سالار کے بستر کو دیکھا۔ وہ خالی تھا۔ اسے جیسے یک دم یاد آیا کہ وہ "کہاں" تھی۔ جھنجلاہٹ یک دم غائب ہوئی اور ساتھ ہی الارم کی آواز بھی۔۔۔ یہ سحری کا وقت تھا۔

امامہ، سالار کے گھر پر تھی اور یہ اس کی نئی زندگی کا پہلا دن تھا۔

وہ دوبارہ اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ کمبل کے ایک کونے سے اس نے اپنے کندھے ڈھانپنے کی کوشش کی۔ اس کے جسم کی کپکپاہٹ کچھ کم ہوئی۔ اس نے پہلی بار اپنے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑی چیزوں کو غور سے دیکھا۔ وہاں رات کو سالار نے گھڑی رکھی تھی۔۔۔ لیکن اب وہاں نہیں تھی۔ ایک چھوٹا رائٹنگ پیڈ اور پین بھی تھا۔ پاس ہی کارڈلیس فون تھا۔ پانی کی ایک چھوٹی بوتل بھی وہیں تھی اور اس کے پاس اس کا سیل پڑا تھا۔ اسے ایک بار پھر الارم کلاک کا خیال آیا۔ اسے یاد تھا کہ اس نے الارم نہیں لگایا تھا۔ یہ کام سالار کا تھا۔ شاید اس نے اپنے لیے الارم لگایا تھا۔

پھر جیسے اس کے ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا۔ بیڈ کی وہ سائیڈ جو رات کو اس نے سونے کے لیے منتخب کی تھی، وہ سالار کا بستر تھا۔ وہ عادتاً "دائیں طرف گئی تھی اور سالار اسے روک نہیں سکا۔ وہ کچھ دیر چپ چاپ بیٹھی رہی، پھر اس نے بے حد ڈھیلے انداز میں اپنا سیل فون اٹھا کر ٹائم دیکھا اور جیسے کرنٹ کھا کر اس نے کمبل اتار پھینکا۔ سحری ختم ہونے میں صرف دس منٹ باقی تھے اور سالار وہ الارم یقیناً "اسے بیدار کرنے کے لیے لگا کر گیا تھا۔ اسے بے ساختہ غصہ آیا، وہ اسے خود بھی جگا سکتا تھا۔

جب تک وہ کپڑے تبدیل کر کے لاؤنج میں گئی، اس کا غصہ غائب ہو چکا تھا۔ کم از کم آج وہ اس سے خوش گوار موڈ میں ہی سامنا چاہتی تھی۔ سٹنگ ایریا کے ڈائننگ ٹیبل پر سحری کے لیے کھانا رکھا تھا۔ وہ بہت تیزی سے کچن میں کھانے کے برتن لینے کے لیے گئی تھی لیکن سنک میں دو افراد کے استعمال شدہ برتن دیکھ کر اسے جیسے دھچکا لگا تھا۔ وہ کھانا یقیناً "فرقان کے گھر سے آیا تھا اور وہ فرقان کے ساتھ ہی کھا چکا تھا۔ اسے خوامخواہ خوش فہمی ہوئی تھی کہ آج اس کے گھر میں پہلی سحری تو وہ ضرور اسی کے ساتھ کرے گا۔۔۔ بوجھل دل کے ساتھ ایک پلیٹ لے کر وہ ڈائننگ ٹیبل پر آگئی، لیکن چند لقموں سے زیادہ نہیں لے سکی۔ اسے کم از کم آج اس کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔۔۔ اس کے ساتھ کھانا کھانا چاہیے تھا۔۔۔ امامہ کو واقعی بہت رنج ہوا تھا۔

چند لقموں کے بعد ہی وہ بڑی بے دلی سے ٹیبل سے برتن اٹھانے لگی۔

برتن دھوتے دھوتے اذان ہونے لگی تھی، جب اسے پہلی بار خیال آیا کہ سالار گھر میں نظر نہیں آرہا۔

اپنے ہاتھ میں موجود پلیٹ دھوتے دھوتے وہ اسے اسی طرح سنک میں چھوڑ کر باہر آگئی۔ اس نے سارے گھر میں دیکھا۔ وہ گھر میں نہیں تھا۔

پھر کچھ خیال آنے پر وہ بیرونی دروازے کی طرف آئی۔ دروازہ مقفل تھا لیکن ڈور چین ہٹی ہوئی تھی۔ وہ یقیناً" گھر پر نہیں تھا۔۔۔ کہاں تھا؟ اس نے نہیں سوچا تھا۔

اس کی رنجیدگی میں اضافہ ہوا۔ وہ اس کی شادی کے دوسرے دن اسے گھر پر اکیلا چھوڑ کر کتنی بے فکری سے غائب ہو گیا تھا۔ اسے پچھلی رات کی ساری باتیں جھوٹ کا پلندہ لگی تھیں۔ واپس کچن میں آکر وہ کچھ دیر بے حد دل شکستگی کی کیفیت میں سنک میں پڑے برتنوں کو دیکھتی رہی۔ وہ "محبوبہ" سے "بیوی" بن چکی تھی مگر اتنی جلدی تو نہیں۔ نازبرداری نہ سہی خیال تو کرنا چاہیے۔ اس کی آزردگی میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا۔ "چند گھنٹوں کے اندر کوئی اتنا بدل سکتا ہے مگر رات کو تو وہ۔۔۔" اس کی رنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی۔

"یقیناً" سب کچھ جھوٹ ہی کہہ رہا ہو گا ورنہ میرا کچھ تو خیال کرتا۔" وہ رنجیدگی اب صدمے میں بدل رہی تھی۔

وہ نماز پڑھ چکی تھی اور سالار کا ابھی بھی کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ اسے تھوڑی سی تشویش ہوئی۔ اگر وہ فجر کی نماز کے لیے بھی گیا تھا تو اب تک تو اسے آجانا چاہیے تھا۔ پھر اس نے اس تشویش کو سر سے جھٹک دیا۔

✷ ✷ ✷

سالار جس وقت دوبارہ اپارٹمنٹ میں آیا، وہ گہری نیند میں تھی۔ بیڈ روم کی لائٹ آف تھی اور ہیٹر آن تھا۔ وہ اور فرقان فجر کی نماز سے بہت دیر پہلے مسجد میں چلے جاتے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ فجر کی نماز کے بعد وہ دونوں وہیں سے بلڈنگ کے جم میں چلے جاتے اور تقریباً "ایک گھنٹے کے ورک آؤٹ کے بعد وہاں سے آتے اور آج یہ دورانیہ "آمنہ" کے امامہ ہونے کی وجہ سے کچھ لمبا ہو گیا تھا۔ فرقان سحری کے وقت ان دونوں کے لیے کھانا لے کر آیا تھا اور وہ بھونچکا بیٹھا رہ گیا تھا۔ وہ رات کو سالار کے جس بیان کو صدمے کی وجہ سے ذہنی حالت میں ہونے والی کسی خرابی کا نتیجہ سمجھ رہا تھا، وہ کوئی ذہنی خرابی نہیں تھی۔

وہ اطمینان سے اس کے سامنے بیٹھا سحری کر رہا تھا اور فرقان اسے رشک سے دیکھ رہا تھا۔ رشک کے علاوہ کوئی اس پر کر بھی کیا سکتا تھا۔

"کیا ہوا؟" سالار نے سحری کرتے ہوئے اس کی اتنی لمبی خاموشی پر اسے کچھ حیرانی سے دیکھا۔ فرقان اس کے سامنے بیٹھا ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم آج اپنی نظر اتروانا۔" فرقان نے بالآخر اس سے کہا۔

"اچھا۔۔۔؟" وہ ہنس پڑا۔ اس سے زیادہ احمقانہ بات کم از کم اس گفتگو کے بعد کوئی نہیں کر سکتا تھا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا۔" فرقان نے اپنے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

جو کچھ ہوا تھا' اسے سمجھنے سے زیادہ اسے ہضم کرنے میں اسے دقت ہو رہی تھی۔ کسی کو بھی ہو سکتی تھی سوائے سامنے بیٹھے ہوئے اس شخص کے' جو اس وقت کانٹے کے ساتھ آملیٹ کا آخری ٹکڑا اپنے منہ میں رکھ رہا تھا۔

"اور اگر کوئی صدقہ وغیرہ دے سکو تو اور بھی بہتر ہے۔" فرقان نے اس کے ردعمل کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ سالار اب بھی خاموش رہا۔

"آمنہ سحری نہیں کرے گی؟" فرقان کو یک دم خیال آیا۔

"سو رہی ہے وہ ابھی... میں الارم لگا آیا ہوں' ابھی کافی وقت ہے سحری کا ٹائم ختم ہونے میں۔" سالار نے کچھ لاپروائی سے اس سے کہا۔

"فرقان! اب بس کرو..." اس سے بات کرتے کرتے وہ ایک بار پھر فرقان کی نظروں سے جھنجلایا۔ وہ پھر اسے ویسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"مجھے اس طرح آنکھیں پھاڑ کے دیکھنا بند کرو۔" اس نے اس بار کچھ خفگی سے فرقان سے کہا۔

"تم... تم بہت نیک آدمی ہو سالار... !اللہ تم سے بہت خوش ہے۔" وہ آملیٹ کا ایک اور ٹکڑا لیتے لیتے فرقان کی بات پر ٹھٹھک گیا۔

اس کی بھوک یک دم ختم ہو گئی تھی۔ مزید ایک لفظ کہے بغیر اس نے پلیٹ پیچھے ہٹا دی اور اپنے برتن اٹھا کر اندر کچن میں لے گیا۔ وہ خوشی' سرشاری' اطمینان اور سکون جو کچھ دیر پہلے جیسے اس کے پورے وجود سے چھلک رہا تھا' فرقان نے پلک جھپکتے اسے دھواں بن کر غائب ہوتے دیکھا۔

مسجد کی طرف جاتے ہوئے فرقان نے بالآخر اس سے پوچھا تھا۔

"اتنے چپ کیوں ہو گئے ہو؟" وہ اسی طرح خاموشی سے چلتا رہا۔

"میری کوئی بات بری لگی ہے؟"

وہ اب بھی خاموش رہا۔ مسجد کے دروازے پر اپنے جوگرز اتار کر اندر جانے سے پہلے اس نے فرقان سے کہا۔

"مجھے تم سب کچھ کہہ لینا فرقان! لیکن کبھی نیک آدمی مت کہنا۔"

فرقان کچھ بول نہیں سکا۔ سالار مسجد میں داخل ہو گیا تھا۔

✲ ✲ ✲

امامہ کی آنکھ گیارہ بجے سیل فون پر آنے والی ایک کال سے کھلی تھی' وہ ڈاکٹر سبط علی تھے۔ ان کی آواز سنتے ہی اس کا دل بھر آیا تھا۔

"میں نے آپ کو نیند سے جگا دیا؟"

وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولے۔ انہوں نے اس کی رندھی ہوئی آواز پر غور نہیں کیا تھا۔

"نہیں' میں اٹھ گئی تھی۔" اس نے بستر سے اٹھتے ہوئے جھوٹ بولا۔

وہ اس کا حال احوال پوچھتے رہے۔ وہ بڑے بوجھل دل کے ساتھ تقریباً "خالی الذہنی" کے عالم میں ہوں ہاں میں جواب دیتی رہی۔

چند منٹ اور بات کرنے کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا۔ کال ختم کرتے ہوئے اس کی نظر اپنے سیل فون میں چمکتے اس کے نام پر پڑی تھی۔ وہ چونک اٹھی' اسے فوری طور پر یاد نہیں آیا کہ اس نے سالار کا نام اور فون نمبر کب محفوظ کیا تھا۔ یقیناً "یہ بھی اسی کا کارنامہ ہو گا۔ اس نے اس کا ایس ایم ایس پڑھنا شروع کیا۔

"پلیز جاگنے کے بعد مجھے میسج کرنا۔ مجھے ضروری بات کرنا ہے۔" اسے نجانے کیوں اس کا میسج پڑھ کر غصہ آیا۔

"بڑی جلدی یاد آ گئی میں۔" وہ میسج کا ٹائم چیک کرتے ہوئے بڑبڑائی۔ وہ شاید دس 'پچاس پر آیا تھا۔

"اگر آفس جاتے ہوئے اسے میں یاد نہیں آئی تو آفس میں بیٹھ کر کیسے آ سکتی ہوں۔" وہ اس وقت اس سے جی بھر کر بدگمان ہو رہی تھی اور شاید ٹھیک ہی ہو رہی تھی۔ وہ پچھلی رات اس کے لیے "چیف گیسٹ" تھی اور اگلی صبح وہ اس کے ساتھ بن بلائے مہمان جیسا سلوک کر رہا تھا۔ کم از کم امامہ اس وقت یہی محسوس کر رہی تھی وہ اس وقت وہ باتیں سوچ رہی تھی جو سالار کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔

وہ کچھ عجیب انداز میں خود ترسی کا شکار ہو رہی تھی۔ اس نے کمبل تہہ کرتے ہوئے بستر ٹھیک کیا اور بیڈ روم سے باہر نکل آئی۔ اپارٹمنٹ کی خاموشی نے اس کی اداسی میں اضافہ کیا تھا۔ کھڑکیوں سے سورج کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ کچن کے سنک میں وہ برتن ویسے ہی موجود تھے جس طرح وہ چھوڑ کر گئی تھی۔

"ہاں' وہ بھلا کیوں دھوتا' یہ سارے کام تو ملازماؤں کے ہوتے ہیں۔ لیکن میں تو نہیں دھوؤں گی' چاہے ایک ہفتہ ہی پڑے رہیں۔ میں ملازمہ نہیں ہوں۔" ان برتنوں کو دیکھ کر اس کی خفگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ اس وقت وہ ہر بات منفی انداز میں لے رہی تھی۔

وہ بیڈ روم میں آئی تو اس کا سیل فون بج رہا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے اس کو خیال آیا کہ شاید سالار کی کال ہو' لیکن وہ مریم کی کال تھی۔ امامہ کا حال احوال پوچھنے کے بعد اس نے بڑے اشتیاق کے عالم میں امامہ سے پوچھا۔

"سالار نے منہ دکھائی میں کیا دیا تمہیں؟" امامہ چند لمحے بول نہیں سکی۔ اس نے تو کوئی تحفہ نہیں دیا تھا اسے' سالار کے نامہ اعمال میں ایک اور گناہ کا اضافہ ہو گیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" امامہ نے کچھ دل شکستہ انداز میں کہا۔

"اچھا... ؟ چلو کوئی بات نہیں' بعد میں دے دے گا' شاید اسے خیال نہیں آیا۔" مریم نے بات بدل دی تھی' لیکن اس کا آخری جملہ امامہ کو چبھا۔ اسے خیال نہیں آیا... ہاں واقعی اسے خیال نہیں آیا ہو گا۔ وہ بے حد خفگی کے عالم میں سوچتی رہی۔

سالار سے اس کے گلے شکوے اس گھر میں آنے کے دوسرے دن ہی شروع ہو گئے تھے لیکن اس کے باوجود وہ لاشعوری طور پر اس کی کال کی منتظر تھی۔ کہیں نہ کہیں اسے اب بھی امید تھی کہ وہ کم از کم دن میں ایک بار تو اسے کال کرے گا۔ کم از کم ایک بار... ایک لمحے کو اسے خیال آیا کہ اسے میسج کر کے اسے اپنے ہونے کا احساس تو دلانا چاہیے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

وہ بے حد بے دلی سے اپنے کپڑے نکال کر نہانے کے لیے چلی گئی۔ واش روم سے باہر نکلتے ہی اس نے سب سے پہلے سیل فون چیک کیا تھا وہاں کوئی میسج تھا اور نہ کوئی مسڈ کال۔

چند لمحے وہ سیل فون پکڑے بیٹھی رہی پھر اس نے اپنی ساری انا اور سارے غصے کو بالائے طاق رکھ کر اسے میسج کر دیا۔

اس کا خیال تھا' وہ اسے فوراً "کال کرے گا لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ پانچ منٹ... دس منٹ... پندرہ منٹ... اس نے اپنی انا کو کچھ اور مٹی کرتے ہوئے اسے میسج کیا۔ بعض دفعہ میسج پہنچتے بھی تو نہیں ہیں' اس نے اپنی عزت نفس کی ملامت سے بچنے کے لیے بے حد کمزور تاویل تلاش کی۔

"آج کل ویسے بھی نیٹ ورک اور سگنلز کا اتنا زیادہ مسئلہ ہے۔"

"عزت نفس" نے اسے جواباً "ڈوب مرنے کے لیے کہا تھا۔ فون اب بھی نہیں آیا تھا' لنچ بریک کے باوجود۔ ماہ

رمضان نہ ہوتا تو شاید وہ اس وقت اپنی "عزت نفس" کو اس کے چیمیں مصروف ہونے کا بہانہ پیش کرتی۔

اب وہ واقعی ناخوش تھی بلکہ ناخوش سے بھی زیادہ' اب اس کا دل رونے کو چاہ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے سالار کے سیل پر کال کی۔ دو بیلز کے بعد کال کسی لڑکی نے ریسیو کی۔ ایک لمحے کے لیے امامہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ سالار کے بجائے کسی لڑکی کی آواز کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"میں آپ کی کیا ہیلپ کر سکتی ہوں میم؟" لڑکی نے بڑی شائستگی کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"مجھے سالار سے بات کرنی ہے۔" اس نے کچھ تذبذب سے کہا۔

"سالار سکندر صاحب تو ایک میٹنگ میں ہیں۔ اگر آپ کوئی کلائنٹ ہیں اور آپ کو بینک سے متعلقہ کوئی کام ہے تو میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں یا آپ میسیج چھوڑ دیں ان کے لیے... میٹنگ میں بریک آئے گی تو میں انہیں انفارم کر دوں گی۔" اس لڑکی نے بے حد پروفیشنل انداز میں کہا۔ امامہ خاموش رہی۔

"ہیلو... مس امامہ!" اس لڑکی نے یقیناً "سالار کے سیل پر اس کی آئی ڈی پڑھ کر اس کا نام لیا تھا۔ وہ اب اسے متوجہ کر رہی تھی۔

"میں بعد میں کال کر لوں گی۔" اس نے بددلی کے ساتھ فون بند کر دیا۔

"تو وہ میٹنگ میں ہے اور اس کا سیل تک اس کے پاس نہیں... اور مجھے کہہ رہا تھا کہ میں جاگنے کے بعد اسے انفارم کروں... کس لیے؟" وہ دل برداشتہ ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼
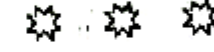
"ارے بیٹا! میں تو کب سے تمہارے فون کے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ تمہیں اب یاد آئی سعیدہ اماں کی۔" سعیدہ اماں نے اس کی آواز سنتے ہی گلہ کیا۔

اس نے جواباً "بے حد کمزور بہانے پیش کیے۔ سعیدہ اماں نے اس کی وضاحتوں پر غور نہیں کیا۔

"سالار ٹھیک تو ہے نا تمہارے ساتھ؟"

انہوں نے اس سوال کے مضمرات کا اس صورت حال میں سوچے بغیر پوچھا اور امامہ کے صبر کا جیسے پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ وہ یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ سعیدہ اماں بری طرح گھبرا گئی تھیں۔

"کیا ہوا بیٹا؟... ارے اس طرح کیوں رو رہی ہو... ؟ میرا تو دل گھبرانے لگا ہے... کیا ہو گیا آمنہ؟" سعیدہ اماں کو جیسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

"سالار نے کچھ کہہ دیا ہے کیا؟" سعیدہ اماں کو سب سے پہلا خیال یہی آیا تھا۔

"مجھے اس سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" امامہ نے ان کے سوال کا جواب دیے بغیر کہا۔

سعیدہ اماں کی حواس باختگی میں اضافہ ہوا۔

"میں نے کہا بھی تھا آپ سے۔" وہ روتی جا رہی تھی۔

"کیا وہ اپنی پہلی بیوی کی باتیں کرتا رہا ہے تم سے؟"

سعیدہ اماں نے سالار کے حوالے سے لاحق واحد خدشے کا بے اختیار ذکر کیا۔

"پہلی بیوی... ؟" امامہ نے روتے روتے کچھ حیرانی سے سوچا۔

لیکن سالار کے لیے اس وقت اس کے دل میں اتنا غصہ بھرا ہوا تھا کہ اس نے بلا سوچے سمجھے سعیدہ اماں کے خدشے کی تصدیق کی تھی۔

"جی...!" اس نے روتے ہوئے جواب دیا۔

سعیدہ اماں کے سینے پر جیسے گھونسا لگا۔ یہ خدشہ تو انہیں تھا لیکن ان کا خیال تھا کہ اپنے گھر لے جاتے ہی پہلے دن تو وہ کم از کم اپنی اس کئی سال پرانی منکوحہ کا ذکر نہیں کرے گا۔ امامہ کو سالار پر کیا غصہ آنا تھا جو سعیدہ اماں کو آیا تھا' انہیں یک دم پچھتاوا ہوا تھا۔ واقعی کیا ضرورت تھی یوں راہ چلتے کسی بھی دو ٹکے کے آدمی کو پکڑ کر یوں اس کی شادی کر دینے کی۔ انہوں نے پچھتاتے ہوئے سوچا۔

"تم فکر نہ کرو... میں خود سبط علی بھائی سے بات کروں گی۔" سعیدہ اماں نے بے حد غصے میں کہا۔

"کوئی فائدہ نہیں اماں! بس میری قسمت ہی خراب ہے۔"

سعیدہ اماں کے پاس آنے والی عورتوں کے منہ سے کئی بار سنا ہوا گھسا پٹا جملہ کس طرح اس کی زبان پر آگیا' اس کا اندازہ امامہ کو نہیں ہوا لیکن اس جملے نے سعیدہ اماں کے دل پر جیسے آری چلا دی۔

"ارے کیوں قسمت خراب ہے... کوئی ضرورت نہیں ہے وہاں رہنے کی... تم ابھی آجاؤ اس کے گھر سے... ارے میری معصوم بچی پر اتنا ظلم... ہم نے کوئی جہنم میں تھوڑا پھینکنا ہے تمہیں۔"

امامہ کو ان کی باتوں پر اور رونا آیا۔ خود ترسی کا اگر کوئی ماؤنٹ ایورسٹ ہوتا تو وہ اس وقت اس کی چوٹی پر جھنڈا گاڑ کر بیٹھی ہوتی۔

"بس! تم ابھی رکشہ لو اور میری طرف آجاؤ۔ کوئی ضرورت نہیں ہے ادھر بیٹھے رہنے کی۔"

سعیدہ اماں نے دو ٹوک الفاظ میں کہا۔

یہ گفتگو مزید جاری رہتی تو شاید امامہ بغیر سوچے سمجھے روتے ہوئے اسی طرح وہاں سے چل بھی پڑتی۔ وہ اس وقت کچھ اتنی ہی جذباتی ہو رہی تھی لیکن سالار کے ستاروں کی گردش اس دن صرف چند لمحوں کے لیے اچھی ثابت ہوئی۔ سعیدہ اماں سے بات کرتے کرتے کال کٹ گئی تھی' اس کا کریڈٹ ختم ہو گیا تھا۔ امامہ نے لینڈ لائن سے کال کرنے کی کوشش کی لیکن کال نہیں ملی۔ شاید سعیدہ اماں نے فون کا ریسیور کریڈل پر ٹھیک سے نہیں رکھا تھا۔ وہ بری طرح جھنجلائی۔

سعیدہ اماں سے بات کرتے ہوئے وہ اتنی دیر میں پہلی بار بہت اچھا محسوس کر رہی تھی' یوں جیسے کسی نے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا ہو۔ اسے اس وقت جس "متعصب" جانب داری کی ضرورت تھی' انہوں نے اسے وہی دی تھی۔ ان سے بات کرتے ہوئے روانی اور فراوانی سے بہنے والے آنسو اب یک دم خشک ہو گئے تھے۔

وہاں سے دس میل کے فاصلے پر اپنے بینک کے بورڈ روم میں بیٹھی ایویلیوایشن ٹیم کو دی جانے والی پریزنٹیشن کے اختتامیہ سوال و جواب کے سیشن میں کریڈیبلٹی اینڈ ٹرسٹ فیکٹر سے متعلقہ کسی سوال کے جواب میں بولتے ہوئے سالار کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کے گھر پر موجود اس کی ایک دن کی بیوی اور نو سالہ "محبوبہ" گھر پر بیٹھی اس کی "ساکھ" اور "نام" کا تیا پانچہ کرنے میں مصروف تھی۔ جس کو اس وقت اس وضاحت کی اس ایویلیوایشن ٹیم سے زیادہ ضرورت تھی۔

سو نا ہو گیا... رونا بھی ہو گیا... اب اور کیا رہ گیا تھا... امامہ نے ٹشو پیپر سے آنکھیں اور ناک رگڑتے ہوئے بالآخر ریسیور رکھتے ہوئے سوچا۔ اسے کچن کے سنک میں پڑے برتنوں کا خیال آیا' بڑی نیم دلی سے وہ کچن میں گئی اور ان برتنوں کو دھونے لگی۔

وہ شام کے لیے اپنے کپڑے نکالنے کے لیے ایک بار پھر بیڈ روم میں آگئی اور تب ہی اس نے اپنا سیل فون بجتے سنا۔ جب تک وہ فون کے پاس پہنچی' فون بند ہو چکا تھا۔ وہ سالار تھا اور اس کے سیل پر یہ اس کی چوتھی مسڈ کال تھی۔ وہ سیل ہاتھ میں لیے اس کی اگلی کال کا انتظار کرنے لگی۔ کال کے بجائے اس کا میسیج آیا۔ وہ اسے اپنے پروگرام میں تبدیلی کے بارے میں بتا رہا تھا کہ ڈاکٹر سبط علی کا ڈرائیور ایک گھنٹے تک اسے وہاں سے ڈاکٹر صاحب

ہوا۔

"ہاں، میں بھی سوچ رہا تھا کہ ایسی تو کوئی بات نہیں ہوئی جس پر تمہارا موڈ آف ہوتا۔" کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے امامہ نے اس کی بات سنی اور اس کی برہمی کچھ اور بڑھی۔

"یعنی میں عقل سے پیدل ہوں جو بلاوجہ اپنا موڈ آف کرتی پھر رہی ہوں... اور اس نے میرے روپے اور حرکتوں کا نوٹس ہی نہیں لیا۔"

"میں تمہیں آج فون کرتا رہا لیکن تم نے فون ہی نہیں اٹھایا۔" وہ ڈرائیو کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

امامہ کو سوچتے ہوئے عجیب سی تسلی ہوئی۔

"اچھا ہوا نہیں اٹھایا یعنی اس نے محسوس تو کیا کہ میں جان بوجھ کر اس کی کال نہیں لیتی رہی۔"

"پھر میں نے گھر کے نمبر پر فون کیا۔ وہ بھی انگیجڈ تھا" تم یقینا "اس وقت مصروف تھیں اس لیے کال نہیں لے سکیں۔" وہ بے حد عام سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہاں بے نیازی کی انتہا تھی۔

امامہ کے رنج میں اضافہ ہوا۔ پھر اسے یاد آیا کہ اس کے فون کا بیلنس ختم ہو چکا تھا۔

"مجھے اپنے فون کے لیے کارڈ خریدنا ہے۔"

سالار نے اسے یک دم کہتے سنا' وہ اپنا ہینڈ بیگ کھولے اس میں سے کچھ نکال رہی تھی اور جو چیز اس نے نکال کر سالار کو پیش کی تھی' اس نے چند لمحوں کے لیے سالار کو ساکت کر دیا تھا۔ وہ ہزار روپے کا ایک نوٹ تھا۔ وہ اس کے تاثرات سے بے خبر ونڈ سکرین سے باہر کسی ایسی شاپ کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی جہاں پر وہ کارڈز دستیاب ہوتے۔ سالار نے اپنی طرف بڑھے ہوئے اس کے ہاتھ کو پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"واپسی پر لیتے ہیں... اور اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

امامہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہیں آنکھیں بند کر کے اپنا سیل فون تھما دیا تھا جب تم میری کچھ نہیں تھیں تو اب کیا پیسے لوں گا تم سے !"

گاڑی میں کچھ عجیب سی خاموشی در آئی تھی۔ دونوں کو بیک وقت کچھ یاد آیا تھا اور جو یاد آیا تھا اس نے یک دم وقت کو وہیں روک دیا تھا۔

بہت غیر محسوس انداز میں امامہ نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کے اس ٹکڑے کو بہت سی تہوں میں لپیٹنا شروع کر دیا۔ اس نے اس کی ساری رقم لوٹا دی تھی' بلکہ اس سے زیادہ ہی جتنی اس نے فون' فون کے بل اور اس کے لیے خرچ کی ہوگی۔ مگر احسان... یقینا "اس کے احسانوں کا وزن بہت زیادہ تھا۔ اس نے کاغذ کی لپٹی تہوں کو دوبارہ بیگ میں ڈال لیا۔ صبح سے اکٹھی کی ہوئی بدگمانیوں کی دھند یکدم چھٹ گئی تھی یا کچھ دیر کے لیے امامہ کو ایسا ہی محسوس ہوا۔

باہر سڑک پر دھند تھی اور وہ بڑی احتیاط سے گاڑی چلا رہا تھا۔ امامہ کا دل چاہا' وہ اس سے کچھ بات کرے لیکن وہ خاموش تھا۔ شاید کچھ سوچ رہا تھا یا لفظ ڈھونڈ رہا تھا۔

"آج سارا دن کیا کرتی رہیں تم؟"

اس نے بالآخر گفتگو کا دوبارہ آغاز کرنے کی کوشش کی تھی۔ پورا دن فلیش کی طرح امامہ کی آنکھوں کے سامنے سے گزر گیا۔ امامہ کو ندامت ہوئی' وہ جو کچھ کرتی رہی تھی' اسے بتا نہیں سکتی تھی۔

"میں سوتی رہی۔" اس نے پورے دن کو تین لفظوں میں سمیٹ دیا۔

"ہاں' مجھے اندازہ تھا' جاگ رہی ہوتیں تو میری کال ضرور ریسیو کرتیں۔" ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

کے گھر لے جائے گا اور وہ افطار کے بعد آفس سے سیدھا ڈاکٹر صاحب کے گھر آنے والا تھا۔

چند لمحوں کے لیے اس کا دل چاہا' وہ فون کو دیوار پر دے مارے لیکن وہ اس کا اپنا فون تھا۔ سالار کو کیا فرق پڑتا۔

وہ اس سے رات کو اتنا لمبا چوڑا اظہار محبت نہ کرتا تو وہ آج اس سے توقعات کا یہ انبار لگا کر نہ بیٹھی ہوتی لیکن سالار کے ہر جملے پر اس نے لاشعوری طور پر پچھلی رات اپنے دامن کے ساتھ ایک گرہ باندھ لی تھی اور گرہوں سے بھرا وہ دامن اب اسے بری طرح تنگ کرنے لگا تھا۔

ڈاکٹر سبط علی گھر پر نہیں تھے۔ آنٹی کلثوم نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور وہ بھی جس حد تک مصنوعی جوش و خروش اور اطمینان کا مظاہرہ کر سکتی تھی' کرتی رہی۔ آنٹی کے منع کرنے کے باوجود وہ ان کے ساتھ مل کر افطار اور ڈنر کی تیاری کرواتی رہی۔

ڈاکٹر سبط علی افطار سے کچھ دیر پہلے آئے تھے۔ اور انہوں نے امامہ کی سنجیدگی نوٹ کی تھی۔ مگر اس کی سنجیدگی کا تعلق سالار سے نہیں جوڑا تھا۔ وہ جوڑ بھی کیسے سکتے تھے۔

سالار افطار کے تقریبا" آدھ گھنٹے کے بعد آیا تھا۔

اور امامہ سے پہلی نظر ملتے ہی سالار کو اندازہ ہو گیا تھا کہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اس کی خیر مقدمی مسکراہٹ کے جواب میں مسکرائی تھی' نہ ہی اس نے ڈاکٹر سبط علی اور ان کی بیوی کی طرح گرم جوشی سے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔ وہ بس نظریں چرا کر لاؤنج سے اٹھ کر کچن میں چلی گئی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے سالار کو لگا کہ شاید اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ آخر وہ اس سے کس بات پر ناراض ہو سکتی ہے۔

وہ ڈاکٹر سبط علی کے پاس بیٹھا ان سے باتیں کرتا ہوا اپنے ذہن میں پچھلے چوبیس گھنٹوں کے واقعات کو دہراتا اور کوئی ایسی بات ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا جو امامہ کو خفا کر سکتی تھی۔ اسے ایسی کوئی بات یاد نہیں آئی۔ ان کے درمیان آخری گفتگو رات کو ہوئی تھی۔ وہ اس کے بازو پر سر رکھے باتیں کرتی سوئی تھی۔ خفا ہوتی تو... وہ الجھ رہا تھا

"کم از کم میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو اسے برا لگا ہو' شاید یہاں کوئی ایسی بات ہوئی ہو۔" سالار نے خود کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے سوچا۔ "لیکن یہاں کیا بات ہوئی ہو گی... ؟... شاید میں کچھ ضرورت سے زیادہ حساس ہو کر سوچ رہا ہوں' غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے مجھے۔"

وہ اب خود کو تسلی دے رہا تھا لیکن اس کی چھٹی حس اسے اب بھی اشارہ دے رہی تھی۔ بے شک وہ اس سے نو سال بعد ملا تھا مگر نو سال پہلے دیکھے جانے والا اس کا ہر موڈ اس کے ذہن پر رجسٹرڈ تھا اور وہ امامہ کے اس موڈ کو بھی جانتا تھا۔

ڈنر ٹیبل پر بھی زیادہ تر گفتگو ڈاکٹر سبط علی اور سالار کے درمیان ہی ہوئی۔ وہ آنٹی کے ساتھ وقفے وقفے سے سب کو ڈشز سرو کرتی رہی' خاموشی اب بھی برقرار تھی۔

وہ ڈاکٹر سبط علی کے ساتھ مسجد میں تراویح پڑھنے آیا اور حفظ قرآن کے بعد آج پہلی بار تراویح کے دوران اٹکا۔ ایک بار نہیں' دو بار۔ اس نے خود کو سنبھال لیا تھا لیکن وہ بار بار ڈسٹرب ہو رہا تھا۔

وہ ساڑھے دس بجے کے قریب ڈاکٹر سبط علی کے گھر سے سعیدہ اماں کے گھر جانے کے لیے نکلے تھے اور سالار نے بالآخر اس سے پوچھ ہی لیا۔

"تم مجھ سے خفا ہو؟"

کھڑکی سے باہر دیکھتے وہ چند لمحوں کے لیے ساکت ہوئی پھر اس نے کہا۔

"میں تم سے کیوں خفا ہوں گی؟" وہ بدستور کھڑکی کی طرف گردن موڑے باہر دیکھ رہی تھی۔ سالار کچھ مطمئن

"پاپا، ممی اور انیتا آ رہے ہیں کل شام۔" سالار نے کچھ دیر کے بعد کہا۔
امامہ نے چونک کر اسے دیکھا۔
"تم سے ملنے کے لیے؟" اس نے مزید اضافہ کیا اور یہ بالآخر سسرال کے ساتھ اس کا پہلا رابطہ ہونے والا تھا۔
امامہ کو اپنے پیٹ میں گرہیں لگتی محسوس ہوئیں۔
"تم نے انہیں میرے بارے میں بتایا ہے؟" اس نے بے حد نپے تلے الفاظ میں پوچھا۔
"نہیں، فی الحال نہیں، لیکن آج بتاؤں گا پاپا کو فون پر۔" وہ ونڈ سکرین سے باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
امامہ نے اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی۔ کوئی پریشانی، تشویش، اندیشہ، خدشہ، خوف، پچھتاوا.... وہ کچھ بھی پڑھنے میں ناکام رہی۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا اور اگر اس کے دل میں کچھ تھا بھی تو وہ اسے بڑی مہارت سے چھپائے ہوئے تھا۔
سالار نے اس کی کھوجتی نظروں کو اپنے چہرے پر محسوس کیا۔ اس نے امامہ کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔ امامہ نے بے اختیار نظریں ہٹائیں۔
"انیتا کی فلائٹ ساڑھے پانچ بجے اور پاپا کی سات بجے ہے.... میں کل بینک سے جلدی ایئر پورٹ چلا جاؤں گا، پھر ممی اور پاپا کو لے کر میرا خیال ہے تو یا ساڑھے نو بجے تک گھر پہنچوں گا۔"
"یہ تم نے کیا پہنا ہوا ہے؟" سالار نے یک دم اس کے لباس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔
تین گھنٹے پینتالیس منٹ کے بعد بالآخر اسے یاد آ گیا کہ میں نے کچھ پہنا ہوا ہے۔ یہ سوچ کر امامہ کی خفگی میں کچھ اضافہ ہوا۔
"کپڑے۔" امامہ نے جواب دیا۔
سالار اس کی بات پر بے اختیار ہنسا۔ "جانتا ہوں کپڑے پہنے ہیں، اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں۔"
امامہ گردن موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی کہ اب وہ تعریف کرے گا۔ اس نے سوچا۔ دیر سے سہی، لیکن اسے میرے کپڑے نظر تو آئے۔ اس کی خفگی میں کچھ اور کمی ہوئی۔
"کون سا کلر ہے یہ؟" سالار نے اپنے پیروں پر پہلی کلہاڑی ماری۔
کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے امامہ کا دل چاہا، وہ چلتی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر کود جائے۔ پونے چار گھنٹے میں وہ اس کے کپڑوں کا رنگ بھی نہیں پہچان سکا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس نے اسے غور سے دیکھا نہیں تھا۔
"پتا نہیں۔" اس نے اسی طرح کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے بے حد سرد مہری سے کہا۔
"ہاں ہمیں بھی اندازہ نہیں کر سکا۔ آج کل خواتین پہنتی بھی تو بڑے عجیب عجیب کلر ہیں۔" سالار نے اس کے لہجے پر غور کیے بغیر عام سے انداز میں کہا۔
وہ زنک اور کاپر کے سب سے زیادہ اِن شیڈ کو "عجیب" کہہ رہا تھا۔ امامہ کو رنج سا رنج ہوا۔ سالار شوہروں کی تاریخی غلطیاں دہرا رہا تھا۔ اس بار امامہ کا دل تک نہیں چاہا کہ وہ اس کی بات کا جواب دے، وہ اس قابل نہیں تھا۔
اسے یاد آیا، اس نے کل بھی اس کے کپڑوں کی تعریف نہیں کی تھی۔ کپڑے....؟ اس نے تو اس کی بھی تعریف نہیں کی تھی.... اظہار محبت کیا تھا اس نے.... لیکن تعریف.... ہاں، تعریف تو نہیں کی تھی اس نے.... وہ جیسے پچھلی رات کو یاد کرتے ہوئے تصدیق کر رہی تھی، اسے دکھ ہوا۔ کیا وہ اسے اتنی بھی خوب صورت نہیں لگی تھی کہ وہ ایک بار ہی کہہ دیتا۔ کوئی ایک جملہ، ایک لفظ، کچھ بھی نہیں، وہ ایک بار پھر خود ترسی کا شکار ہونے لگی۔ عورت اظہار محبت اور ستائش کو کبھی "ہم معنی" نہیں سمجھتی۔ یہ کام مرد کرتا ہے اور غلط کرتا ہے۔
ڈرائیونگ کرتے ہوئے سالار کو اندازہ نہیں ہوا کہ گفتگو کے لیے موضوعات کی تلاش میں ادھر ادھر کی باتیں [illegible]اس نے کس قدر سنگین موضوع کو چھیڑ دیا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے جیسے ایک بارودی سرنگ کے اوپر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا تھا جو اس کے پاؤں اٹھاتے ہی پھٹ جاتی۔
سعیدہ اماں کی گلی میں گاڑی پارک کرنے کے بعد سالار نے ایک بار پھر امامہ کے موڈ میں تبدیلی محسوس کی۔ اس نے ایک بار پھر اسے اپنا وہم گردانا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ڈاکٹر سبط علی کے گھر پہ بھی غلط فہمی کا شکار رہا۔ آخر ہو کیا گیا ہے مجھے....؟ وہ بھلا کیوں صرف چوبیس گھنٹے میں مجھ سے ناراض ہوتی پھرے گی۔ اس نے اطمینان سے سوچا۔
سعیدہ اماں دروازہ کھولتے ہی امامہ سے لپٹ گئی تھیں۔ چند لمحوں بعد وہ آنسو بہا رہی تھیں۔ سالار جز بز ہوا۔ [illegible] اتنے عرصے سے وہ اکٹھے رہ رہی تھیں۔ یقیناً" دونوں ایک دوسرے کو مس کر رہی ہوں گی۔ اس نے بالآخر خود کو سمجھایا۔
سعیدہ اماں نے سالار کے سلام کا جواب دیا، نہ ہی ہمیشہ کی طرح اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ انہوں نے امامہ کو گلے لگایا، اس سے لپٹ کر آنسو بہائے اور پھر اسے لے کر اندر چلی گئیں۔ وہ ہکا بکا دروازے میں ہی کھڑا رہ گیا تھا۔
انہیں کیا ہوا؟ وہ پہلی بار بری طرح کھٹکا تھا۔ اپنے احساس کو وہم سمجھ کر جھٹکنے کی کوشش اس بار کامیاب نہیں ہوئی۔ کچھ غلط تھا مگر کیا....؟ وہ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر اس نے پلٹ کر بیرونی دروازہ بند کیا اور اندر چلا آیا۔
وہ دونوں کچھ باتیں کر رہی تھیں، اسے دیکھ کر یک دم چپ ہو گئیں۔ سالار نے امامہ کو اپنے آنسو پونچھتے دیکھا۔ وہ ایک بار پھر ڈسٹرب ہوا۔
"میں چائے لے کر آتی ہوں.... بادام اور گاجر کا حلوہ بنایا ہے آج میں نے۔" سعیدہ اماں یہ کہتے ہوئے کھڑی ہوئیں۔ سالار نے بے اختیار انہیں ٹوکا۔
"سعیدہ اماں! کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم لوگ کھانا کھا کر آئے ہیں اور چائے بھی پی لی ہے۔ صرف آپ سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔"
وہ کہتے کہتے رک گیا، اسے احساس ہوا کہ وہ پیشکش سرے سے اسے کی ہی نہیں گئی تھی۔ سعیدہ اماں مکمل طور پر امامہ کی طرف متوجہ تھیں اور امامہ اسے کچھ کھانے پینے میں متامل نظر نہیں آئی۔
"میں کھاؤں گی اور میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں آپ کس طرح اٹھائیں گی برتن۔" امامہ نے سعیدہ اماں سے کہا اور پھر ان کے ساتھ ہی کچن میں چلی گئی۔ سالار ہونقوں کی طرح وہاں بیٹھا رہ گیا۔
اگلے پندرہ منٹ وہ اس صورت حال پر غور کرتا، وہیں بیٹھا کمرے کی چیزوں کو دیکھتا رہا۔
بالآخر پندرہ منٹ کے بعد امامہ اور سعیدہ اماں کی واپسی ہوئی۔ اسے امامہ کی آنکھیں پہلے سے کچھ زیادہ سرخ اور متورم لگیں، یہی حال کچھ اس کی ناک کا تھا۔ وہ یقیناً" کچن میں روتی رہی تھی مگر کس لیے؟ وہ اب الجھ رہا تھا۔ کم از کم اب وہ آنسو اسے سعیدہ اماں اور اس کی باہمی محبت و یگانگت کا نتیجہ نہیں لگ رہے تھے۔ سعیدہ اماں کے چہرے اور آنکھوں میں اسے پہلے سے بھی زیادہ سرد مہری نظر آئی۔
اسے اس وقت چائے میں دلچسپی تھی نہ کسی حلوے کی طلب.... کچھ بھی کھانا اس کے لیے بدہضمی کا باعث ہوتا لیکن جو ماحول یک دم وہاں بن گیا تھا، اس نے اسے ضرورت سے زیادہ محتاط کر دیا تھا۔ کسی انکار کے بغیر اس نے خاموشی سے پلیٹ میں تھوڑا سا حلوہ نکالا۔ امامہ نے ڈاکٹر سبط علی کے گھر کی طرح یہاں بھی اس سے پوچھے بغیر اس کی چائے میں دو چمچ چینی ڈال کر اس کے سامنے رکھ دی، پھر اپنی پلیٹ میں لیا حلوہ کھانے لگی۔
چند منٹوں کی خاموشی کے بعد بالآخر سعیدہ اماں کی قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔ اپنے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ ایک طرف رکھتے ہوئے انہوں نے اپنی عینک کو ناک پر ٹھیک کرتے ہوئے تیز نظروں سے سالار کو گھورا۔

"بیویوں کے بڑے حقوق ہوتے ہیں۔"

اپنی پلیٹ میں ڈالے حلوے کو چمچ سے ہلاتے سالار ٹھٹکا۔ اس نے پہلے سعیدہ اماں کو دیکھا' پھر امامہ کو... وہ بھی ٹھٹکی تھی... اور کچھ گڑبڑائی بھی... سالار کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی اور اس کے گلے شکوے کرنا اور بات تھی مگر اس کے سامنے بیٹھ کر وہی کچھ دہرانا' خاص طور پر جب ان الزامات کا کچھ حصہ کسی جھوٹ پر مبنی ہو۔ وہ واقعی گھبرا گئی تھی۔

سالار کو یہ سوال نہیں' تبصرہ لگا۔

"جی۔" اس نے ان کی تائید کی۔

"وہ مرد دوزخ میں جاتے ہیں جو اپنی بیویوں کو تنگ کرتے ہیں۔" سعیدہ اماں نے اگلا جملہ بولا۔

اس بار سالار فوری طور پر تائید نہیں کر سکا۔ وہ خود مرد تھا اور شوہر بھی' لاکھ وہ امامہ پر مرتا ہو لیکن "بیوی" کی موجودگی میں اس تبصرے کی تائید اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مصداق تھا۔ وہ شادی کے دوسرے ہی دن اتنی فرماں برداری نہیں دکھا سکتا تھا جس پر وہ بعد میں ساری عمر پچھتاتا۔

اس بار کچھ کہنے کے بجائے اس نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔ اس کی خاموشی نے سعیدہ اماں کو کچھ اور تپا دیا۔

"دوسروں کے دل دکھانے والے کو اللہ کبھی معاف نہیں کرتا۔" سالار نے حلوہ کھاتے کھاتے اس جملے پر غور کیا' پھر تائید میں سر ہلا دیا۔

"جی بالکل۔" سعیدہ اماں کو اس کی ڈھٹائی پر غصہ آیا۔

"شریف گھرانے کے مردوں کا وتیرہ نہیں ہے کہ دوسروں کی بیٹیوں کو پہلے بیاہ کر لے جائیں اور پھر انہیں پہلی بیویوں کے قصے سنانے بیٹھ جائیں۔"

امامہ کی جیسے جان پر بن گئی۔ یہ کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا۔

"آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے اماں!" اس نے صورت حال سنبھالنے کی کوشش کی۔

سالار نے باری باری ان دونوں کو دیکھا' اسے اس جملے کا سر پیر سمجھ میں نہیں آیا تھا اور پہلے جملوں سے ان کا کیا تعلق تھا' وہ بھی سمجھ نہیں پایا لیکن تائید کرنے میں کوئی برائی نہیں تھی کیونکہ بات مناسب تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔" اس نے بالآخر کہا۔

اس کی سعادت مندی نے سعیدہ اماں کو مزید تپا دیا۔ شکل سے کیسا شریف لگ رہا ہے۔ اسی لیے تو سبط بھائی بھی دھوکا کھا گئے۔ انہوں نے ڈاکٹر سبط علی کو غلطی کرنے پر چھوٹ دی۔

"آمنہ کے لیے بہت رشتے تھے۔" سعیدہ اماں نے سلسلہ کلام جوڑا۔

انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایک غلط آدمی کو امامہ کی قدر و قیمت کے بارے میں غلط لیکچر دے رہی تھیں۔ حلوے کی پلیٹ ہاتھ میں لیے سالار نے ایک نظر امامہ کو دیکھا پھر سعیدہ اماں کو' جو بے حد جوش و خروش سے کہہ رہی تھیں۔

"یہ سامنے والے ظہور صاحب کے بڑے بیٹے نے آمنہ کو کہیں دیکھ لیا تھا۔ ماں باپ کو صاف صاف کہہ دیا اس نے کہا کہ شادی کروں گا تو اسی لڑکی سے۔ خالہ کی بیٹی کے ساتھ بچپن کی منگنی بھی توڑ دی۔"

اس بار سالار نے حلوے کی پلیٹ ٹیبل پر رکھ دی۔ وہ کم از کم امامہ کے کسی ایسے رشتے کی تفصیلات مزے سے حلوہ کھاتے ہوئے نہیں سن سکتا تھا۔ امامہ نے اس بار سعیدہ اماں کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بڑی ہی عامیانہ بات تھی لیکن وہ بھی جیسے چاہتی تھی کہ کوئی سالار کو بتائے کہ وہ "قابل قدر" ہے' وہ اسے صرف "بیوی"

...کر برتاؤ نہیں کر سکتا۔

"ہوتے گھس گئے لڑکے کی ماں کے یہاں کے چکر لگا کر' محلے کے ہر معزز آدمی سے کہلوایا اس نے' میرے داماد تک کو انگلینڈ فون کرایا اس رشتے کے لیے۔" سعیدہ اماں بول رہی تھیں۔

سالار اب بے حد سنجیدہ تھا اور امامہ قدرے لاتعلقی کے انداز میں سر جھکائے حلوے کی پلیٹ میں چمچ ہلا رہی تھی۔

"اس کے ماں باپ نے کہا کہ جو چاہیں حق مہر میں لکھوالیں' بس اپنی بچی کو ہماری بیٹی بنا دیں۔"

سالار نے بے حد جتانے والے انداز میں اپنی رسٹ واچ یوں دیکھی جیسے اسے دیر ہو رہی تھی۔ سعیدہ اماں کو اس کی اس حرکت پر بری طرح تاؤ آیا۔ اس گفتگو کے جواب میں کم از کم وہ اس سے اس بے نیازی کی توقع نہیں کر رہی تھیں۔

"ابھی آج بھی اس کی ماں آئی ہوئی تھی۔ بہت افسوس سے کہہ رہی تھی کہ بڑی زیادتی کی ان کے بیٹے کے ساتھ میں نے... ایک بار نہیں' دو بار... کہہ رہی تھی کہ ہمیں چھوڑ کر کسی ایرے غیرے کے ساتھ پکڑ کر بیاہ دیا۔ میرا بیٹا کیوں نظر نہیں آیا آپ کو... رانیوں کی طرح رکھتا آمنہ کو... دیکھ دیکھ کر جیتا اسے۔"

سعیدہ اماں اب مبالغہ آمیزی کی آخری حدود کو چھونے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھیں۔ سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے چہرے پر اب بھی مرعوبیت نام کی کوئی چیز نمودار نہیں ہوئی تھی۔ وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ انہیں یک ٹک دیکھ رہا تھا۔ سعیدہ اماں کو لگا' انہوں نے اس کے ساتھ شادی کر کے واقعی آمنہ کی قسمت پھوڑی تھی۔

بے حد خفگی کے عالم میں انہوں نے سردی کے موسم میں بھی پانی کا گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ میں پیا تھا۔ اس کی یہ خاموشی امامہ کو بھی بری طرح چبھی تھی۔ وہ رات کو اس سے کیا کچھ کہہ رہا تھا اور اب یہاں سعیدہ اماں کو بتانے کے لیے اس کے پاس ایک لفظ بھی نہیں تھا کہ وہ اس کے لیے اہم ہے... یا وہ اس کا خیال رکھے گا... یا کوئی اور وعدہ... کوئی اور تسلی... کوئی اور بات... کچھ تو کہنا چاہیے تھا اسے سعیدہ اماں کے سامنے... اسے عجیب بے قدری اور بے وقعتی کا احساس ہوا تھا... رنج کچھ اور سوا ہوا... فاصلہ کچھ اور بڑھا تھا... اس نے کسی دوسرے کے سامنے بھی اسے تعریف کے دو لفظوں کے قابل نہیں سمجھا تھا۔ اکیلے میں تعریف نہ کرے لیکن یہاں ہی کچھ کہہ دیتا... کچھ تو... اس کا دل ایک بار پھر بھر آیا۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ سالار اس سے روایتی شوہروں والا رویہ رکھے لیکن خود وہ اس سے روایتی بیوی والی ساری توقعات لیے بیٹھی تھی۔

"بہت دیر ہو گئی' میرا خیال ہے' ہمیں اب چلنا چاہیے۔ مجھے صبح آفس جانا ہے' آج کل کام کچھ زیادہ ہے۔"

سالار کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تھا۔

اس نے بڑے تحمل کے ساتھ سعیدہ اماں سے کہا اور پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اب امامہ کے کھڑے ہونے کا منتظر تھا لیکن امامہ نے ٹیبل پر رکھے برتن اٹھا کر ٹرے میں رکھتے ہوئے اسے دیکھے بغیر بڑی سرد مہری کے ساتھ کہا۔

"میں آج یہیں رہوں گی سعیدہ اماں کے پاس۔"

سالار چند لمحوں کے لیے بالکل بھونچکا رہ گیا۔ اس نے پچھلے کئی گھنٹوں میں ایک بار بھی ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ سعیدہ اماں کے پاس رات گزارنے کا ارادہ رکھتی ہے اور اب یک دم بیٹھے بٹھائے یہ فیصلہ...

"ہاں' بالکل یہیں چھوڑ جاؤ اسے۔" سعیدہ اماں نے فوری تائید کی۔ امامہ اس کے انکار کی منتظر تھی۔

"ٹھیک ہے' یہ رہنا چاہتی ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" سالار نے بڑی سہولت سے کہا۔

برتن سمیٹتی امامہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ اس نے ایک منٹ کے لیے بھی اسے ساتھ لے جانے پر اصرار نہیں کیا تھا' وہ اتنا تنگ آیا ہوا تھا اس سے۔

اس سے پہلے کہ سالار کچھ اور کہتا' وہ ایک جھپاکے کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ سعیدہ اماں نے بے حد قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا' سالار نے جیسے امامہ کے ہر الزام کی تصدیق کردی تھی۔ سالار کو امامہ کے یوں جانے کی وجہ سمجھ میں آئی' نہ سعیدہ اماں کی ان ملامتی نظروں کا مفہوم سمجھ سکا وہ۔ وہ گفتگو جتنی اپ سیٹ کرنے والی تھی اتنا ہی امامہ کا یک دم کیا جانے والا یہ اعلان تھا کہ وہ آج وہیں رہے گی۔ اسے برا لگا تھا لیکن اتنا برا نہیں لگا تھا کہ وہ اس پر اعتراض یا خفگی کا اظہار کرتا اور وہ بھی سعیدہ اماں کے سامنے۔

"او کے... میں چلتا ہوں پھر۔" وہ سعیدہ اماں کے ساتھ باہر صحن میں نکل آیا۔
اس کا خیال تھا' امامہ کچن میں برتن رکھ کر اسے خدا حافظ کہنے تو ضرور آئے گی لیکن وہ نہیں آئی تھی۔ وہ کچھ دیر سعیدہ اماں سے بے مقصد باتیں کرتا صحن میں کھڑا اس کا انتظار کرتا رہا۔ سعیدہ اماں کے لہجے میں اتنی سرد مہری نہ ہوتی تو ان سے امامہ کو بلوانے کا کہتے ہوئے اسے جھجک محسوس نہ ہوتی۔
سعیدہ اماں کے گھر سے نکلتے ہوئے اس نے پہلی بار اس محلے میں ان کے سامنے والے گھر کو سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہاں سے اکیلے واپس آنا اسے کھل رہا تھا۔ وہ اتنے سال اس کے بغیر ہی رہا تھا۔ اسے کبھی تنہائی نہیں چبھی تھی۔ اس نے ایک رات اس کے ساتھ گزاری تھی اور تنہائی کا مفہوم اس کی سمجھ میں آگیا تھا۔ وہاں سے واپسی کی ڈرائیو اس کی زندگی کی سب سے طویل ڈرائیو تھی۔

☼ ☼ ☼

"کل بھائی صاحب کے ہاں چلیں گے۔ انہیں بتائیں گے یہ سب کچھ... وہی بات کریں گے سالار سے۔"
سعیدہ اماں اس کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھیں۔ وہ بے حد پریشان تھیں۔
امامہ نے ان کی بات کی تائید کی نہ تردید۔ اب اس کا دل کچھ بھی کہنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ بس اپنے بیڈ پر کمبل اوڑھے چپ چاپ بیٹھی سعیدہ اماں کی باتیں سنتی رہی۔
"اچھا' چلو اب سو جاؤ بیٹا! صبح سحری کے لیے بھی اٹھنا ہوگا۔"
سعیدہ اماں کو اچانک خیال آیا۔ بیڈ سے اٹھ کر کمرے سے نکلتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔
"لائٹ آف کردوں؟"
پچھلی رات ایک جھماکے کے ساتھ اسے یاد آئی تھی۔
"نہیں... رہنے دیں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے لیٹ گئی۔
سعیدہ اماں دروازہ بند کر کے چلی گئیں۔ کمرے کی خاموشی نے اسے سالار کے بیڈ روم کی یاد دلائی۔
"ہاں' اچھا ہے نا... میں نہیں ہوں' آرام سے لائٹ آن کر کے سو تو سکتا ہے۔ یہی تو چاہتا تھا وہ۔" وہ پھر سے رنجیدہ ہونے لگی اور تب ہی اس کا سیل فون بجنے لگا۔ امامہ کے خون کی گردش پل بھر کے لیے تیز ہوئی' وہ اسے بالآخر کال کر رہا تھا۔ اس نے بے حد خفگی کے عالم میں فون بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پھینک دیا۔
وہ اسے ساتھ لے کر نہیں گیا اور اب اسے اس کی یاد آرہی تھی۔ اس کی رنجیدگی' غصے میں بدل رہی تھی۔ وہ اس طرح کیوں کر رہی تھی کہ رائی کا پہاڑ بنا رہی تھی۔
اس نے جیسے اپنا تجزیہ کیا اور اس تجزیے نے بھی اسے اذیت دی۔ میں زود رنج ہوگئی ہوں یا وہ مجھے جان بوجھ کر بری طرح اگنور کر رہا ہے۔ یہ جتانا چاہتا ہے کہ میں اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اس کے دوست' اس کا آفس' اس کی فیملی... بس یہ اہم ہیں اس کے لیے... دوبارہ کال نہیں آئی' چند سیکنڈ کے بعد اس کا میسج آیا تھا۔
اسے یقین تھا کہ وہ یقیناً "اس سے کہے گا کہ وہ اسے مس کر رہا تھا۔

ٹیکسٹ میسج میں اس کے لیے ایک ری لوڈ کارڈ کا نمبر تھا اور اس کے نیچے دو لفظ... "گڈ نائٹ سویٹ ہارٹ!"

پہلے اسے شدید غصہ آیا پھر بری طرح رونا۔ اسے پہلے بھی زندگی میں سالار سکندر سے برا کوئی نہیں لگا تھا اور آج بھی اس سے برا کوئی نہیں لگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آمنہ سے بات کرواؤ... میں اور طیبہ بھی اس سے بات کرلیں... شادی کرلی... اسے گھر بھی لے آؤ... اب کسی کام میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے یا نہیں۔" سکندر نے ابتدائی سلام و دعا کے ساتھ چھوٹتے ہی اس سے کہا۔
"وہ آج اپنے میکے میں ہے۔" سالار نے کچھ سوچ کر کہا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی سعیدہ اماں کے گھر سے واپس آیا تھا۔
"تو برخوردار! تم بھی اپنے سسرال میں ہی ٹھہرتے' تم منہ اٹھا کر اپنے اپارٹمنٹ کیوں آگئے؟" سکندر نے اسے ڈانٹا' وہ جواباً ہنسا۔
"ممی پاس ہی ہیں؟" اس نے موضوع بدلا۔
"ہاں... کیوں' بات کرنی ہے؟"
"نہیں' فی الحال تو آپ ہی سے بات کرنی ہے... بلکہ کچھ زیادہ سیریس بات کرنی ہے۔"
سکندر یک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ "یہ سالار سکندر" تھا' وہ اگر سیریس کہہ رہا تھا تو بات یقیناً "بہت سیریس تھی۔
"کیا بات ہے؟"
"مجھے... اصل میں آمنہ کے بارے میں آپ کو کچھ بتانا ہے۔"
سکندر الجھ گئے۔ وہ آمنہ کے بارے میں انہیں نکاح کے بعد بتا ہی چکا تھا۔ ڈاکٹر سبط علی کی بیٹی جس کے ساتھ اس نے اپنی کچھ ذاتی وجوہات کی بنا پر ایمرجنسی میں نکاح کیا تھا... سکندر عثمان' ڈاکٹر سبط علی کو جانتے تھے اور سالار کے توسط سے دو تین بار ان سے مل بھی چکے تھے۔ وہ ڈاکٹر سبط علی کی بیٹی کے بجائے کسی بھی لڑکی سے اس طرح اچانک ان لوگوں کو مطلع کیے بغیر نکاح کرتا تب بھی انہیں اعتراض نہ ہوتا۔ وہ اور ان کی فیملی کچھ اتنی ہی لبرل تھی اور سالار تو بہرحال "اسپیشل کیس" تھا... یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ شادی "انسانوں" کی طرح کرتا۔ یہ بصد طیبہ کا تھا جو انہوں نے اس کے نکاح کی خبر ملنے پر قدرے خفگی لیکن اطمینان کے ساتھ کیا تھا اور اب وہ کہہ رہا تھا کہ اسے آمنہ کے بارے میں کچھ بتانا تھا۔
"کیا بتانا ہے آمنہ کے بارے میں؟"
سالار نے گلا صاف کیا۔ بات کیسے شروع کرے' سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔
"آمنہ اصل میں امامہ ہے۔" تمہید اس نے زندگی میں کبھی نہیں باندھی تھی' پھر اب کیسے باندھتا۔ دوسری طرف یک دم خاموشی چھا گئی۔ سکندر کو لگا' انہیں سننے میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔
"کیا... کیا مطلب؟" انہوں نے جیسے تصدیق چاہی۔
"امامہ کو ڈاکٹر صاحب نے اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ وہ اتنے سالوں سے ان ہی کے پاس تھی۔ انہوں نے اس کا نام چینج کردیا تھا اس کے تحفظ کے لیے۔ مجھے نکاح کے وقت یہ پتا نہیں تھا کہ وہ امامہ ہے' لیکن وہ امامہ ہی ہے۔"
آخری جملے کے علاوہ اسے باقی کی تفصیل احمقانہ نہیں لگی۔

سکندر عثمان نے رکتی ہوئی سانس کے ساتھ برابر کے بیڈ پر بیٹھی بیوی کو دیکھا جو اسٹار پلس پر کوئی ٹاک شو دیکھنے میں مصروف تھی اور یہ اچھا ہی تھا۔

وہ اسی طرح رکتی ہوئی سانس کے ساتھ ' ننگے پاؤں اپنے بستر سے اتر کر بیڈ روم کا دروازہ کھول کر' بے حد عجلت کے عالم میں باہر نکل گئے۔ طیبہ نے کچھ حیرت سے انہیں اس طرح اچانک جاتے دیکھا۔

"ایک تو ان باپ بیٹے کا رومانس ہی ختم نہیں ہوتا' اب دو گھنٹے لگا کر آئیں گے۔" طیبہ نے قدرے خفگی سے سوچا اور دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

باہر لاؤنج میں سکندر عثمان کے چودہ طبق روشن ہو رہے تھے۔ وہ ابھی چند گھنٹے پہلے ہی طیبہ کے ساتھ اپنے آخری اولاد کے "سیٹل" ہو جانے پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اس کا ولیمہ پلان کر رہے تھے اور انہیں وقتی طور پر یہ بھول گیا تھا کہ وہ آخری اولاد "سالار سکندر" تھا۔

دو گھنٹے تک لاؤنج میں اس کے ساتھ طویل گفت و شنید کے بعد وہ جب بالآخر واپس بیڈ روم میں آئے تو طیبہ سو چکی تھیں لیکن سکندر عثمان کی نیند اور اطمینان دونوں رخصت ہو چکے تھے۔

☼ ☼ ☼

سکندر عثمان اس سے ناراض نہیں ہوئے تھے لیکن وہ ان تمام خدشات کو سمجھ سکتا تھا جو یک دم ان کے ذہن میں جاگ اٹھے تھے۔ اتنے سال سے ہاشم مبین کی فیملی کے ساتھ ان کے تمام تعلقات مکمل طور پر منقطع تھے لیکن اس کے باوجود سب کچھ پر سکون تھا۔ امامہ کی اس فوری گمشدگی کے بعد شروع کے چند مہینے وہ انہیں تنگ کرتے رہے تھے لیکن جوں جوں انہیں یقین ہوتا گیا کہ سکندر عثمان اور سالار کا واقعی امامہ کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے تو ساری گرد جیسے آہستہ آہستہ بیٹھتی گئی۔ اس کے باوجود ہاشم مبین کو اب بھی یقین تھا کہ رابطہ نہ ہونے کے باوجود امامہ کو بھگانے میں سالار کا کسی نہ کسی طرح ہاتھ ضرور تھا مگر یہ بات ثابت کرنا مشکل تھا اور اب نو سال بعد یک دم جیسے "ثبوت" سامنے آگیا تھا۔ اس کے نتیجے میں ہاشم مبین اور اس کی فیملی کیا طوفان اٹھاتی' اس کے بارے میں سکندر کو کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ وہ اگر پریشان تھے تو سالار ان کی پریشانی سمجھ سکتا تھا۔

ان سے بات کرنے کے بعد وہ سونے کے لیے بیڈ پر آکر لیٹ گیا اور اس وقت اسے ایک بار پھر امامہ یاد آئی۔ اس نے گردن موڑ کر اس خالی بستر اور تکیے کو دیکھا۔ اسے پچھلی رات اس تکیے پر بکھری زلفیں یاد آئیں۔ چند لمحوں کے لیے اسے یوں لگا جیسے وہ وہیں تھی۔ اس تکیے سے اس کے کندھے اور اس کے کندھے سے اس کے سینے تک آتی ہوئی وہ سیاہ ریشمی زلفیں ایک بار پھر اس سے لپٹنے لگی تھیں۔

اس نے لائٹ آف کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ پچھلی رات نہیں تھی کہ اسے تاریکی میں بھی نیند آجاتی۔

☼ ☼ ☼

وہ ساری رات نہیں سوئی۔ غصہ' رنج' افسوس اور آنسو۔ وہ ایک کیفیت سے نکلتی' دوسری میں داخل ہوتی رہی۔

سحری کے وقت بھی اس کا دل بستر سے نکل کر سعیدہ اماں کا سامنا کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ انہیں اپنی اتری ہوئی شکل دکھانا نہیں چاہتی تھی لیکن مجبوری تھی۔ سعیدہ اماں اسے مجبور نہ کرتیں تو وہ سحری کھائے بغیر روزہ رکھتی۔ واپس کمرے میں آنے پر اس نے ایک بار پھر اپنے سیل پر سالار کی مسڈ کال دیکھی۔ اس نے سیل آف کیا اور کمبل لپیٹ کر سو گئی۔

سالار نے دس بجے کے قریب آفس سے اسے کال کی' سیل آف تھا۔ گیارہ بجے کال کرنے پر ایک بار پھر سیل آف ملا۔ اس بار اس نے سعیدہ اماں کی لینڈ لائن پر کال کی۔

"امامہ سو رہی ہے۔" انہوں نے چھوٹتے ہی سرد مہری سے اسے اطلاع دی۔

"اچھا' جب وہ اٹھے تو آپ اس سے کہیں کہ مجھے کال کرلے۔" اس نے پیغام دیا۔

"دیکھوں گی' اگر اس کے پاس فرصت ہوئی تو کرلے گی۔"

سعیدہ اماں نے یہ کہہ کر کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ وہ سیل ہاتھ میں پکڑے رہ گیا۔ اگلے پانچ منٹ وہ اسی پوزیشن میں بیٹھا سعیدہ اماں کے جواب پر غور کرتا رہا۔

امامہ کو اس کا پیغام مل گیا تھا اور سعیدہ اماں نے سالار کو دیا جانے والا جواب بھی اسے سنا دیا۔ وہ خاموش رہی۔

"آج بھائی صاحب کی طرف چلیں گے۔" سعیدہ اماں نے اسے چپ دیکھ کر کہا۔

"آج رہنے دیں' سالار کے گھر والے آرہے ہیں بعد میں بات کرلیں گے۔" امامہ نے سعیدہ اماں سے کہا۔

سالار نے ڈیڑھ بجے کے قریب فون کیا اور اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"تھینک گاڈ! تمہاری آواز تو سننا نصیب ہوا مجھے...." وہ جواباً خاموش رہی۔

"ڈاکٹر صاحب کا ڈرائیور پہنچنے ہی والا ہو گا' تم تیار ہو جاؤ۔" سالار نے اس کی خاموشی نوٹس کیے بغیر اسے اطلاع دی۔

"ڈنر کے لیے کیا بنانا ہے؟" امامہ نے جواباً کہا۔

"کون سا ڈنر؟"

"تمہارے پیرنٹس کھانا نہیں کھائیں گے کیا؟"

"نہیں' ڈنر فرقان کے گھر پر ہے۔"

"میں ڈنر خود تیار کرلوں گی۔" اس نے اس اطلاع پر دو ٹوک انداز میں کہا۔

"یہ ڈنر وہ ہم دونوں کے لیے نہیں بلکہ ممی' پاپا اور انیتا کے لیے کر رہا ہے۔" وہ کچھ خفیف سی ہو گئی۔

"لیکن سحری کے لیے تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہو گا۔"

"میری فیملی میں روزے وغیرہ کوئی نہیں رکھتا' لیکن پوچھ لوں گا اور کرلیں گے کچھ نہ کچھ.... فریج میں بہت کچھ ہے۔ تم اس جھنجھٹ میں نہ پڑو۔"

"ہیلو!" سالار نے جیسے لائن پر اس کی موجودگی کو چیک کیا۔

"میں سن رہی ہوں۔" اس نے جواباً کہا۔

"امامہ! تم اور سعیدہ اماں کل رات کو رو کیوں رہی تھیں....؟"

سالار نے بالآخر وہ سوال کیا جو پچھلی رات سے اسے تنگ کر رہا تھا۔

"ایسے ہی۔" وہ کچھ دیر کے لیے جواب نہیں دے سکی۔

"اور سعیدہ اماں کا موڈ بھی کچھ آف تھا؟"

"پتا نہیں.... تم پوچھ لیتے۔" اس نے اب بھی اسی انداز سے کہا۔

"میں پوچھنا چاہتا تھا مگر مجھے لگا کہ ابھی مناسب نہیں۔" سالار نے کہا' امامہ جواباً خاموش رہی۔

"چلو تم اب تیار ہو جاؤ' گھر پہنچ جاؤ تو مجھے ٹیکسٹ میسج کرنا۔ اگر میں فری ہوا تو تمہیں کال کرلوں گا۔" امامہ نے جواباً "خدا حافظ" کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس کا دل چاہا تھا' اس سے کہے۔ "ضرورت نہیں۔"

☼ ☼ ☼

وہ تقریباً اڑھائی بجے ڈاکٹر صاحب کے ڈرائیور کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ پر پہنچی تھی اور اس نے آتے ہی

سب سے پہلے دونوں بیڈ رومز چیک کیے تھے۔ بیڈ رومز یا باتھ رومز میں کچھ رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔
سالار آفس جانے سے پہلے یقیناً" ہر کام خود ہی کر کے گیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اپنے وجود کو "بے مصرف" محسوس کیا۔
ایک بیڈ روم شاید پہلے ہی گیسٹ روم کے طور پر استعمال ہو رہا تھا' جبکہ دوسرا بیڈ روم وہ اسٹڈی کے طور پر بھی استعمال کر رہا تھا۔ وہاں ایک ریک پر کتابوں کے ڈھیر کے علاوہ اسی طرح کے ریکس پر سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز کے انبار بھی نظر آئے سٹنگ روم میں موجود ریکس پر بھی ڈی وی ڈیز اور سی ڈیز تھیں لیکن ان کی تعداد اس کمرے کی نسبت بہت کم تھی۔ کمرے میں کچھ میوزیکل انسٹرومنٹس بھی پڑے ہوئے تھے اور ایک اسٹڈی ٹیبل پر جس ایک ڈیسک ٹاپ تھا۔ وہ اسٹڈی ٹیبل اس کمرے کی وہ واحد چیز تھی جس پر پڑے کاغذ' فائلز اور ڈیسک آرگنائزر اسے بے ترتیب نظر آئے۔ وہ اٹھنے سے پہلے اسے ٹھیک کرنا بھول گیا تھا یا شاید اس کے پاس وقت نہیں تھا۔
ایک لمحے کے لیے اسے خیال آیا کہ وہ ان پیپرز کو ٹھیک کر دے' اگلے ہی لمحے اس نے اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ اسے خدشہ تھا وہ یہ کام سالار جیسی پرفیکشن کے ساتھ نہیں کر سکتی تھی اور اگر کوئی پیپر ادھر ادھر ہو گیا تو۔۔۔؟

وہ دروازہ بند کر کے باہر نکل آئی۔ فریج اور فریزر میں واقعی کھانے کا بہت سا سامان تھا اور اس کو یقین تھا کہ ان میں سے نوے پرسنٹ اشیاء فرقان اور نوشین کی مرہون منت تھیں۔ جو چیزیں سالار کی اپنی خریداری کا نتیجہ تھیں ان میں پھلوں کے علاوہ ڈرنکس اور ٹن پیکڈ فوڈ آئٹمز کی ایک محدود تعداد تھی۔ اس نے چند ٹن نکال کر دیکھے' وہ تقریباً" سب کے سب سی فوڈ تھے۔
امامہ کو کھانے میں صرف ایک چیز ناپسند تھی۔ سی فوڈ۔۔۔ روزے کی وجہ سے اس کا معدہ خالی نہ ہوتا تو ان ڈبوں پر بنے ہوئے کریبز اور پرانز دیکھ کر اسے وومٹنگ شروع ہو جاتی۔ اس نے بڑی مایوسی کے عالم میں ان ٹنز کو واپس فریج میں رکھ دیا۔ یقیناً" وہ ڈیکوریشن کے مقصد سے خرید کر نہیں رکھے گئے تھے۔ وہ خرید کر لاتا تھا تو یقیناً" کھاتا بھی ہو گا۔ اس کا خراب موڈ کچھ اور ابتر ہوا۔ ابھی اور کیا کیا پتا چلنا تھا اس کے بارے میں۔۔۔
اس نے کچن کے کیبنٹس کھول کر دیکھے اور بند کر دیے۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کچن میں فریج کے علاوہ صرف کافی کیبنٹس اور برتنوں کے ریکس کے علاوہ کہیں کچھ نہیں۔ وہ کچن صرف ناشتے اور سینڈوچ والے میلز کے علاوہ صرف چائے یا کافی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ وہاں اسے چند فرائنگ پینز کے علاوہ کسی قسم کے پکانے کے برتن نظر نہیں آئے۔ کچن میں موجود کراکری بھی ایک ڈنر سیٹ اور چند واٹر اور ٹی سیٹس پر مشتمل تھی یا اس کے علاوہ کچھ مگز تھے یا پھر بریک فاسٹ سیٹ۔ یقیناً" اس کے گھر آنے والے افراد کی تعداد بھی زیادہ نہیں تھی۔
وہ کچن سے نکل آئی۔
اپارٹمنٹ کا واحد غیر دریافت شدہ حصہ بالکونی تھا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی اور وہ پہلی جگہ تھی جہاں آتے ہی اس کا دل خوش ہوا تھا۔ چھ فٹ چوڑی اور بارہ فٹ لمبی وہ ٹیرس نما بالکونی کو ٹیرس گارڈن کہنا زیادہ مناسب تھا۔ مختلف شکلوں اور سائز کے گملوں میں مختلف قسم کے پودے اور بیلیں لگی ہوئی تھیں اور شدید سرد موسم میں بھی ان کی حالت بتا رہی تھی کہ ان پر خاصی محنت اور وقت لگایا گیا تھا۔ وہاں آس پاس کی بالکونیوں سے بھی ایسے سبز رنگ کے پودے اور بیلیں جھانکتی نظر آ رہی تھیں لیکن یقیناً" سالار کی بالکونی کی حالت سب سے بہتر تھی۔
لاؤنج کی قد آدم کھڑکیاں بھی اسی بالکونی میں تھیں اور بالکونی میں ان کھڑکیوں کے پاس دیوار کے ساتھ زمین پر ایک میٹ موجود تھا۔ وہ شاید یہاں آ کر بیٹھتا ہو گا یا دھوپ میں لیٹتا ہو گا۔ شاید ویک اینڈ پر۔۔۔ ورنہ سردی کے موسم میں اس میٹ کی وہاں موجودگی کا مقصد اسے سمجھ میں نہیں آیا۔ بالکونی کی منڈیر کے قریب ایک اسٹول پڑا ہوا تھا۔ وہ یقیناً" وہاں آ کر بیٹھتا تھا۔ نیچے دیکھنے کے لیے۔۔۔ منڈیر پر مگ کے چند نشان تھے۔ چائے یا کافی پیتا ہے یہاں بیٹھ کر۔۔۔ مگر کس وقت۔۔۔ یقیناً" رات کو۔۔۔ اس نے سوچا اور آگے بڑھ کر نیچے جھانکا۔ وہ تیسری منزل تھی اور نیچے بلڈنگ کا لان اور پارکنگ تھے۔ کچھ فاصلے پر کمپاؤنڈ سے باہر سڑک بھی نظر آ رہی تھی۔ وہ ایک پوش ایریا تھا اور سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں تھی۔ وہ واپس اندر آ گئی۔
وہ کپڑے تبدیل کر کے ابھی اپنے بال بنا ہی رہی تھی جب اسے ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔ فوری طور پر اسے نوشین ہی کا خیال آیا تھا۔
لیکن دروازے پر ایک ریسٹورنٹ کا ڈیلیوری بوائے چند پیکٹس لیے کھڑا تھا۔
"میں نے آرڈر نہیں کیا۔" اسے لگا شاید وہ کسی غلط اپارٹمنٹ میں آ گیا ہے۔
اس نے جواباً" سالار سکندر کا نام ایڈریس کے ساتھ دہرایا۔ چند لمحوں کے لیے وہ چپ سی ہو گئی۔ وہ کم از کم اتنا لاپروا نہیں تھا اس کے بارے میں کہ اس کے افطار کے لیے کچھ انتظام کرنا بھول جاتا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ اپنے پیرنٹس کو لینے کے لیے آفس سے نکل چکا ہو گا اور ایئرپورٹ پہنچنے کی بھاگ دوڑ میں اسے شاید وہ یاد بھی نہیں ہو گی۔
کچن میں ان پیکٹس کو رکھتے ہوئے اس کا غصہ اور رنجیدگی کچھ کم ہوئی اور یہ شاید اس کا ہی اثر تھا کہ اس نے کال کر کے سالار کو مطلع کرنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھا۔ وہ اس وقت ایئرپورٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے فوراً" کال ریسیو کی تھی۔
امامہ نے اسے کھانے کے بارے میں بتایا۔
"میں رات کا کھانا اکثر اس ریسٹورنٹ سے منگواتا ہوں۔ کھانا اچھا ہوتا ہے ان کا۔۔۔" اس نے جواباً" بڑے معمول کے انداز میں کہا۔ "میں نے سوچا' میں جب تک ان لوگوں کو لے کر گھر آؤں گا تم تب تک بھوکی بیٹھی رہو گی۔"
وہ اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی مگر یکدم اسے احساس ہوا کہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ سالار سے یہ دو لفظ کہنا' ایک عجیب سی جھجک تھی جو اسے محسوس ہو رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

وہ تقریباً" سوا نو بجے کے قریب آیا اور ڈور بیل کی آواز پر وہ بے اختیار نروس ہو گئی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سالار کی فیملی کے رد عمل سے خائف تھی۔ ایک ہمسائے کے طور پر بھی دونوں فیملیز کے درمیان بے حد رسمی تعلقات تھے اور بعد میں ہونے والے واقعات نے تو یہ فارمیلٹی بھی ختم کر دی تھی۔ اسے کئی سال پہلے سکندر عثمان سے فون پر ہونے والی گفتگو یاد تھی اور شاید اس کے خدشات کی وجہ بھی وہی کال تھی۔
بیرونی دروازہ کھولتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔
سکندر عثمان سمیت تینوں افراد اس سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ملے تھے۔ وہ ان کے رویوں میں جس روکھے پن اور خفگی کو ڈھونڈ رہی تھی' وہ فوری طور پر اسے نظر نہیں آئی۔ امامہ کی نروس نیس میں کچھ کمی آئی۔
فرقان کے گھر ڈنر کے دوران اس کی یہ نروس نیس اور بھی کم ہوئی۔
انیتا اور طیبہ دونوں بڑے دوستانہ انداز میں نوشین اور اس سے باتیں کرتی رہیں۔ نوشین اور فرقان سالار کے والدین سے پہلے بھی مل چکے تھے لیکن نوشین' انیتا سے پہلی بار مل رہی تھی اور دونوں کا موضوع گفتگو ان کے بچے

تھے۔ وہ بے حد پرسکون انداز میں ایک خاموش سامع کی طرح ان لوگوں کی باتیں سنتی رہی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ فرقان کے گھر میں اس کی شادی یا اس کی ذات موضوع گفتگو بنے۔

اپنے اپارٹمنٹ میں واپسی کے بعد پہلی بار سکندر اور طیبہ نے سٹنگ روم میں بیٹھے' اس سے بات کی اور تب امامہ نے ان کے لہجے میں چھپی اس تشویش کو محسوس کیا جو امامہ کی فیملی کے متوقع رد عمل سے انہیں تھی۔ اس کا اعتماد ایک بار پھر غائب ہو گیا۔ اگرچہ انہوں نے کھلے عام امامہ کے سامنے ہاشم مبین یا ان کے خاندان کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی لیکن وہ لوگ اب ولیمہ کا فنکشن اسلام آباد کے بجائے لاہور میں منعقد کرنا چاہتے تھے۔ وہ سالار کی رائے سننا چاہتی تھی لیکن وہ گفتگو کے دوران خاموش رہا۔ جب گفتگو کے دوران خاموشی کے وقفوں کی تعداد بڑھنے لگی تو یک دم امامہ کو احساس ہوا کہ گفتگو میں آنے والی اس بے ربطی کی وجہ وہ تھی۔ وہ چاروں اس کی وجہ سے کھل کر بات نہیں کر پا رہے تھے۔

"بالکل' بیٹا! تم سو جاؤ' تمہیں سحری کے لیے اٹھنا ہو گا۔ ہم لوگ تو ابھی کچھ دیر بیٹھیں گے۔"

اس کے نیند آنے کے بہانے پر سکندر عثمان نے فوراً کہا تھا۔

وہ اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔ نیند آنا بہت مشکل تھی۔ دو دن پہلے جن خدشات کے بارے میں اس نے سوچا بھی نہیں تھا' اب وہ ان کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

اسے اندازہ تھا کہ سکندر عثمان ان دونوں کی شادی کو خفیہ ہی رکھنا چاہتے ہیں تاکہ اس کی فیملی کو اس کے بارے میں پتا نہ چلے۔

وہ بہت دیر تک اپنے بیڈ پر بیٹھی ان خدشات اور خطرات کے بارے میں سوچتی رہی جو انہیں محسوس ہو رہے تھے۔ اس وقت وہاں اکیلے بیٹھے پہلی بار اس نے سوچا کہ اس سے شادی کر کے سالار نے کتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ جو بھی اس سے شادی کرتا' وہ کسی نہ کسی حد تک خود کو غیر محفوظ ضرور کر لیتا لیکن سالار سکندر کی صورت میں صورت حال اس لیے زیادہ خراب ہوتی کیونکہ اس کے ساتھ اس کے اس رشتے کا انکشاف ہونے کے چانسز زیادہ تھے۔

وہ زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتے تھے.... اس نے سوچا۔ مجھے یا سالار کو جان سے تو کبھی نہیں ماریں گے... اسے اب بھی اندھا اعتماد تھا کہ کہیں نہ کہیں اس کی فیملی اتنا لحاظ ضرور کرے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ وہ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کریں گے اور پھر سالار سے طلاق دلوا کر کہیں اور شادی کرنا چاہیں گے۔

اس کے اضطراب میں یک دم مزید اضافہ ہوا۔ سب کچھ شاید اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھی یا سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ اپنی مرضی سے کہیں شادی کرنے کا مسئلہ نہیں تھا' یہ مذہب میں تبدیلی کا معاملہ تھا۔ اسے اپنے پیٹ میں گرہیں پڑتی محسوس ہوئیں' وہ واپس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس وقت پہلی بار سالار سے شادی کرنا اسے ایک غلطی لگی۔ وہ ایک بار پھر اسی کھائی کے کنارے آ کر کھڑی ہو گئی تھی جس سے وہ اتنے سالوں سے بچتی پھر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اب کیا ہو گا؟" طیبہ نے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔

"اب ہونے کو رہ کیا گیا ہے؟" سکندر عثمان نے جواباً کہا۔ وہ جانتے تھے طیبہ کا اشارہ کس طرف تھا۔

"ہاشم مبین کو پتا چل گیا تو...؟"

"اسی لیے تو اس سے کہا ہے کہ امامہ کو وہیں رکھے لاہور میں۔ اسلام آباد نہیں لائے۔ ویسے بھی پی ایچ ڈی کے لیے تو اسے اگلے سال چلے ہی جانا ہے۔ تب تک تو کور ہو سکتا ہے یہ سب کچھ۔" سکندر عثمان نے اپنے گلاسز اتارتے ہوئے کہا۔ وہ بھی سونے کے لیے لیٹنے والے تھے۔

طیبہ کچھ دیر خاموش رہیں پھر انہوں نے کہا "مجھے تو بڑی عام سی لگی ہے امامہ۔"

"تمہارے بیٹے سے بہتر ہے۔" سکندر عثمان نے ترکی بہ ترکی کہا۔ طیبہ کچھ ناراض ہوئیں۔

"کیوں۔ سالار سے کس طرح بہتر ہے' وہ اس کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ آپ خود ایمان داری سے بتائیں' ایسی کوئی بات ہے اس میں کہ نو سال بیٹھا رہا وہ اس کے لیے۔"

سکندر ہنس پڑے۔

"اتنی ہنسی کس بات پر آ رہی ہے آپ کو؟" وہ چڑیں۔

سکندر واقعی بہت خوشگوار موڈ میں تھے۔

"میں واقعی بہت خوش ہوں کیونکہ میرا بیٹا بڑا خوش ہے۔ اتنے سالوں بعد اس طرح باتیں کرتے دیکھا ہے اسے۔ میں نے زندگی میں کبھی اس کے چہرے پر ایسی رونق نہیں دیکھی۔ امامہ کے ساتھ اس کی شادی ہو گئی ہے' میرے تو کندھوں سے بوجھ اتر گیا ہے۔ اس کے سامنے کتنا شرمندہ رہتا تھا میں' تمہیں اندازہ بھی ہے۔"

طیبہ خاموشی سے ان کی بات سن رہی تھیں۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ غلط نہیں کہہ رہے ہیں۔

✡ ✡ ✡

نیند میں وہ اس کے ہاتھوں میں رسیاں باندھ کر اسے کھینچ رہے تھے۔ رسیاں اتنی سختی سے باندھی ہوئی تھیں کہ اس کی کلائیوں سے خون رسنے لگا تھا اور ان کے ہر جھٹکے کے ساتھ وہ درد کی شدت سے بے اختیار چلاتی۔ وہ کسی بازار میں لوگوں کی بھیڑ کے درمیان کسی قیدی کی طرح لے جائی جا رہی تھی۔ دونوں اطراف میں کھڑے ہوئے لوگ بلند آواز میں قہقہے لگاتے ہوئے اس پر آوازے کس رہے تھے۔ پھر ان لوگوں میں سے ایک مرد نے جو اس کی کلائیوں میں بندھی رسیوں کو کھینچ رہا تھا ——— پوری قوت سے رسی کو جھٹکا دیا۔ وہ گھٹنوں کے بل اس پتھریلے راستے پر گری۔

"امامہ... امامہ... اٹھ جاؤ... سحری ختم ہونے میں تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔"

وہ ہڑبڑا کر اٹھی' بیڈ سائیڈ ٹیبل لیمپ آن کیا۔ سالار اس کے پاس کھڑا نرمی سے اس کا کندھا ہلاتے ہوئے اسے جگا رہا تھا۔

"سوری... میں نے شاید تمہیں ڈرا دیا۔" سالار نے معذرت کی۔

وہ کچھ دیر تک خالی ذہن کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ گزرے ہوئے سالوں میں ایسے خواب دیکھنے کی عادی ہو گئی تھی اور خوابوں کا یہ سلسلہ اب بھی نہیں ٹوٹا تھا۔

"کوئی خواب دیکھ رہی تھیں؟"

سالار نے جھک کر گود میں رکھے اس کے ہاتھ کو ہلاتے ہوئے پوچھا۔ اسے یوں لگا تھا' وہ ابھی بھی نیند میں تھی۔ امامہ نے سر ہلا دیا۔ وہ اب نیند میں نہیں تھی۔

"تم کمبل لیے بغیر سو گئیں؟" سالار نے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے کہا۔ امامہ نے چونک کر بیڈ پر پڑے کمبل کو دیکھا۔ وہ واقعی اسی طرح پڑا تھا۔ یقیناً" وہ بھی رات کو کمرے میں سونے کے لیے نہیں آیا تھا۔ کمرے کا ہیٹر آن رہا تھا' ورنہ وہ سردی لگنے کی وجہ سے ضرور اٹھ جاتی۔

"جلدی آ جاؤ' بس دس منٹ رہ گئے ہیں۔"

وہ اسے پانی کا گلاس تھماتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

منہ ہاتھ دھونے کے بعد جب وہ سٹنگ ایریا میں آئی تو وہ سحری کر چکا تھا اور چائے بنانے میں مصروف تھا۔ لاؤنج یا کچن میں اور کوئی نہیں تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پر اس کے لیے پہلے ہی سے برتن لگے ہوئے تھے۔

"میں چائے بناتی ہوں۔" وہ سحری کرنے کے بجائے مگ نکالنے لگی۔

"تم آرام سے سحری کرو' ابھی اذان ہو جائے گی۔ میں اپنے لیے چائے خود بنا سکتا ہوں' بلکہ تمہارے لیے بھی بنا سکتا ہوں۔" سالار نے مگ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اسے واپس بھیجا۔

وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"یہ سب لوگ سو رہے ہیں؟"

"ہاں... ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی سوئے ہیں۔ ساری رات تو باتیں کرتے رہے ہم لوگ اور شاید ہماری آوازوں کی وجہ سے تم ڈسٹرب ہوتی رہیں۔"

"نہیں' میں سو گئی تھی۔" اس کا لہجہ بہت بجھا ہوا تھا۔ سالار نے محسوس کیا' وہ اسے بہت اپ سیٹ لگی۔

"کیا کوئی زیادہ برا خواب دیکھا ہے؟"

وہ چائے کے مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کرسی کھینچ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"خواب..." وہ چونکی۔ "نہیں... ایسے ہی..." وہ کھانا کھانے لگی۔

"صبح ناشتا کتنے بجے کریں گے یہ لوگ۔" اس نے بات بدلتے ہوئے پوچھا۔

وہ بے اختیار ہنسا۔

"یہ لوگ... کون سے لوگ... یہ تمہاری دوسری فیملی ہے اب... ممی' پاپا کہو انہیں اور انیتا کو انیتا..." وہ اس کی بات پر بے اختیار شرمندہ ہوئی۔ وہ واقعی کل رات سے ان کے لیے یہی دو لفظ استعمال کر رہی تھی۔

"ناشتا تو نہیں کریں گے۔ ابھی گھنٹہ' ڈیڑھ گھنٹہ تک اٹھ جائیں گے۔ دس بجے کی فلائٹ ہے۔" سالار نے اس کی شرمندگی کو بھانپتے ہوئے بات بدل دی۔

"صبح نو بجے کی... اتنی جلدی کیوں جا رہے ہیں؟" وہ حیران ہوئی۔

"صرف تم سے ملنے کے لیے آئے تھے یہ لوگ' پاپا کی کوئی میٹنگ ہے آج دو بجے اور انیتا تو اپنے بچوں کو ملازمہ کے پاس چھوڑ کر آئی ہے۔ چھوٹی بیٹی تو صرف چھ ماہ کی ہے اس کی۔" وہ بتا رہا تھا۔ "چائے پینی ہے ناشتے کے بجائے' وہ تم بنا دینا۔ میں ابھی نماز پڑھ کر آ جاؤں' پھر ان کے ساتھ ہی آفس کے لیے تیار ہوں گا اور انہیں ایئرپورٹ چھوڑ کر پھر آفس چلا جاؤں گا۔" سالار نے جمائی روکتے ہوئے چائے کا خالی مگ اٹھایا اور کھڑا ہو گیا۔ امامہ نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔

"تم سوؤ گے نہیں؟"

"نہیں' شام کو آفس سے آنے کے بعد سوؤں گا۔"

"تم چھٹی کر لیتے۔" امامہ نے روانی سے کہا۔

سنک کی طرف جاتے ہوئے سالار نے پلٹ کر امامہ کو دیکھا اور پھر بے اختیار ہنسا۔ "سونے کے لیے آفس سے چھٹی لے لیتا؟ میرے پروفیشن میں ایسا نہیں ہوتا۔"

"تم سوئے نہیں رات کو؟ اس لیے کہہ رہی ہوں۔" وہ اس کی بات پر جھنپی تھی۔

"میں اڑتالیس اڑتالیس گھنٹے بغیر سوئے یو این کے لیے کام کرتا رہا ہوں۔ وہ بھی شدید گرمی اور سردی میں۔ ڈیزاسٹر اسٹریکن ایریاز میں اور رات کو تو ماں باپ کے پاس بیٹھا پرفیکٹ کنڈیشنز میں باتیں کرتا رہا ہوں، تھکتا کیوں؟؟"

اذان ہو رہی تھی۔

"آپ پلیز مگ مت دھونا، مجھے ابھی اپنے برتن دھونے ہیں۔" امامہ نے چائے کا مگ خالی کرتے ہوئے اسے روکا۔ وہ ٹی بیگ نکال کر ویسٹ باسکٹ میں پھینکنے لگی تھی۔

"ٹھیک ہے... دھوئیے۔"

سالار نے بڑی خوش دلی کے ساتھ مگ سنک میں رکھا اور پلٹا۔ وہ کوڑے دان کا ڈھکن ہٹائے ہوئے فق ہوتی رنگت کے ساتھ ٹی بیگ ہاتھ میں پکڑے کسی بت کی طرح کھڑی تھی۔ سالار نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر کوڑے دان کے اندر پڑی اس چیز کو جس نے اسے یوں شاکڈ کر دیا تھا۔

"نان الکحولک ڈرنک۔" وہ مدھم آواز میں کہتے ہوئے کچن سے باہر نکل گیا تھا۔

وہ بے اختیار شرمندہ ہوئی۔ اسے یقین تھا۔ وہ اس کوڑے دان کے اندر پڑے جنجر بیئر کے اس خالی کین کو وہاں سے نہیں دیکھ سکتا تھا، جہاں وہ کھڑا تھا، اس کے باوجود اس کو پتا تھا کہ وہ کیا چیز دیکھ کر سکتہ میں آئی تھی۔

اس نے جنجر بعد میں پڑھا تھا، بیئر پہلے... اور یہ سالار سکندر کا گھر نہ ہوتا تو اس کا ذہن پہلے نان الکحولک ڈرنکس کی طرف جاتا، مگر یہاں اس کا ذہن بے اختیار دوسری طرف گیا تھا۔ جھک کر ٹی بیگ پھینکتے ہوئے اس نے نان الکحولک کے لفظ بھی کین پر دیکھ لیے تھے۔ کچھ دیر وہیں کھڑی وہ اپنی ندامت ختم کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ پتا نہیں وہ کیا سوچ رہا ہوگا میرے بارے میں اور سالار کو بھی واقعی کرنٹ لگا تھا۔ وہ دونوں اپنے درمیان اعتماد کا جو پل بنانے کی کوشش کر رہے تھے، وہ کبھی ایک طرف سے ٹوٹ رہا تھا، کبھی دوسری طرف سے۔

اس نے آخری بار شراب آٹھ سال پہلے پی تھی، لیکن وہ انرجی اور نان الکحولک ڈرنکس تقریباً" ہر رات کام کے دوران پیتا تھا۔ امامہ کو ویسٹ باسکٹ کے پاس شاکڈ دیکھ کر اسے یہ جاننے میں سیکنڈز بھی نہیں لگے تھے کہ ویسٹ باسکٹ میں پڑی کون سی چیز اس کے لیے شاکنگ ہو سکتی ہے۔

وہ کارپوریٹ سیکٹر سے تعلق رکھتا تھا اور جن پارٹیز میں جاتا تھا وہاں ڈرنکس ٹیبل پر شراب بھی موجود ہوتی تھی اور ہر بار اس "مشروب" سے انکار پر کسی نے پچھلے آٹھ سال کے دوران شاید ایک بار بھی یہ نہیں سوچا ہوگا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی نو سال پہلے والے سالار سکندر سے واقف نہیں تھا۔ لیکن وہ ایک فرد جو دو دن پہلے اس کے گھر میں آیا تھا، اس کے پاس سالار کی کسی بھی بات اور عمل پر شبہ کرنے کے لیے بڑی ٹھوس وجوہات موجود تھیں۔

"یہ سب تو ہوگا ہی... ایسی حرکتیں نہ کرتا تب قابلِ اعتبار ہوتا۔ اب جبکہ ماضی کچھ اتنا صاف نہیں ہے تو اس پر اپنا اعتبار قائم کرنے میں کچھ وقت تو لگے گا ہی۔" بیرونی دروازے کی طرف جاتے ہوئے اس نے بڑی آسانی کے ساتھ سارا الزام اپنے سر لے کر امامہ کو بری الذمہ قرار دے دیا تھا۔

"تمہارے کپڑے پریس کر دوں؟" اس نے بیڈ روم میں آ کر پوچھا۔ وہ ڈریسنگ روم میں وارڈروب کھولے اپنے کپڑے نکال رہا تھا۔

"نہیں، میرے کپڑے تو پریس ہو کر آتے ہیں۔" ایک ہینگر نکالتے ہوئے وہ پلٹ کر مسکرایا تھا۔

امامہ کو یک دم اپنے کانوں کے بندے یاد آئے۔

"تم نے میرے ایئر رنگز کہیں دیکھے ہیں؟ میں نے واش روم میں رکھے تھے، وہاں نہیں ملے مجھے۔"

"ہاں میں نے اٹھائے تھے وہاں سے۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل پر ہیں۔" سالار دو قدم آگے بڑھا اور ایئر رنگز اٹھا کر امامہ کی طرف بڑھا دیے۔

"یہ پرانے ہو گئے ہیں۔ تم آج میرے ساتھ چلنا، میں تمہیں نئے لے دوں گا۔"

وہ ایئر رنگز کانوں میں پہنتے ہوئے ٹھٹکی۔

"یہ میرے ابو نے دیے ہیں جب مجھے میڈیکل میں ایڈمیشن ملا تھا۔ میرے لیے پرانے نہیں ہیں۔ تمہیں ضرورت نہیں ہے اپنے پیسے ضائع کرنے کی۔"

اس کا ردِعمل دیکھنے کے لیے امامہ نے پلٹ کر دیکھنے کی زحمت تک نہیں کی۔ وہ بیڈ روم کا دروازہ کھول کر باہر چلی گئی تھی۔ وہ اگلے کچھ سیکنڈز وہیں کھڑا رہا۔ وہ محبت سے کی ہوئی آفر تھی، جسے وہ اس کے منہ پر مار کر گئی تھی۔ کم از کم سالار نے یہی محسوس کیا تھا۔ اسے یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ محبت سے کی جانے والی اس آفر کو اس نے ضرورت پوری کرنے والی چیز بنا دیا تھا۔ وہ مرد تھا، ضرورت اور محبت میں فرق نہیں کر پاتا تھا۔ وہ عورت تھی ضرورت اور محبت میں فرق رکھتے رکھتے مر جاتی۔

✡ ✡ ✡

ڈاکٹر سبط علی کو اس دن صبح ہی سعیدہ اماں سے طویل گفتگو کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ دو یا تین دن بعد ان کی خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کیا کرتے تھے اور آج بھی انہوں نے سعیدہ اماں کی طبیعت پوچھنے کے لیے ہی فون کیا تھا۔ وہ ان کی آواز سنتے ہی پھٹ پڑی تھیں۔ ڈاکٹر سبط علی بے یقینی سے ان کی باتیں سنتے رہے۔ انہیں سعیدہ اماں کی کوئی بھی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"آمنہ نے آپ سے یہ کہا کہ سالار اپنی پہلی بیوی کی باتیں کرتا رہا ہے؟" انہیں لگا کہ انہیں سعیدہ اماں کی بات سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔

"وہ بے چاری تو رو رہی ہے... فون پر بھی... اور میرے پاس بیٹھ کر بھی... سالار نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس سے ٹھیک طرح سے بات تک نہیں کرتا وہ۔ بھائی صاحب! آپ نے بڑا ظلم کیا ہے بچی پر۔" سعیدہ اماں ہمیشہ کی طرح جذباتی ہو رہی تھیں۔

"مجھے لگتا ہے کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے، وہ دونوں تو پرسوں میرے پاس آئے ہوئے تھے۔ بالکل ٹھیک ٹھاک اور خوش تھے۔" ڈاکٹر سبط علی پریشان کم اور حیران زیادہ ہو رہے تھے۔

"اور آپ کے گھر سے واپسی پر وہ اسے یہاں چھوڑ گیا تھا۔ وہ بے چاری ساری رات روتی رہی۔"

"آمنہ آپ کے ہاں رہی پرسوں؟" وہ پہلی بار چونکے تھے۔

"تو اور کیا... ؟ سالار تو اس کو لے کر جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو اس کے ماں باپ آ رہے تھے کل... تو اس لیے مجبوراً" لے گیا اسے... اور آمنہ بھی بڑی پریشان ہے سارا دن چپ بیٹھی رہی۔ آپ تو بھائی صاحب بڑی تعریفیں کیا کرتے تھے، بڑا نیک، صالح بچہ ہے لیکن یہ تو بڑا خراب نکلا۔ ابھی سے تنگ کرنا شروع کر دیا ہے اس نے۔"

اس وقت ڈاکٹر سبط علی کے چودہ طبق روشن ہو رہے تھے۔ امامہ اس رات ان کے گھر پر بھی خاموش بیٹھی رہی تھی، لیکن انہیں یہ شائبہ تک نہیں ہوا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف ہوا ہے۔

اور سالار کی پہلی بیوی۔۔۔؟ کون سی پہلی بیوی نکل آئی تھی جس کا حوالہ اس نے سعیدہ اماں کو دیا تھا۔ وہ اب پہلی بار سالار کے بارے میں پریشان ہونے لگے تھے۔ کیا انہوں نے کوئی غلطی کر دی تھی؟

بے حد پریشانی کے عالم میں انہوں نے امامہ کو فون کیا۔ امامہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سعیدہ اماں، ڈاکٹر سبط علی سے واقعی سب کچھ کہہ دیں گی اور وہ بھی اتنی جلدی۔۔۔ ڈاکٹر سبط علی نے اس کا حال احوال پوچھتے ہی اس سے اگلا سوال یہی کیا تھا۔

"سعیدہ بہن نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کو سالار سے کچھ شکایتیں ہیں۔" وہ بے حد پریشان لگے تھے۔

امامہ کا حلق یک دم خشک ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اقرار کرے یا انکار۔ اس کی خاموشی نے ڈاکٹر سبط علی کو مزید پریشان کیا۔

"اور سالار آپ سے کون سی پہلی بیوی کے بارے میں باتیں کرتا رہا ہے۔؟"

وہ بے اختیار ہونٹ کاٹنے لگی۔ اس کا ذہن اس وقت بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔ وہ سالار کے خلاف تمام شکایات کو الزامات کے طور پر دہرانا چاہتی تھی، لیکن اس وقت مسئلہ یہ تھا کہ وہ ڈاکٹر سبط علی سے اتنی بے تکلفی کے ساتھ وہ سب کچھ نہیں کہہ سکتی تھی جو اس نے سعیدہ اماں سے کہا تھا۔ سعیدہ اماں سے شکایتیں کرتے ہوئے اس نے مبالغے سے بھی کام لیا تھا اور اسے یہ اندازہ نہیں ہوا کہ سعیدہ اماں نے اس کی کون سی بات کس طرح انہیں بتائی ہے۔ اس کی مسلسل خاموشی نے ڈاکٹر سبط علی کی پریشانی میں اضافہ کیا۔

"بیٹا! جو بھی بات ہے، آپ مجھے بتا دیں۔ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"ابو! وہ مجھے بہت اگنور کرتا ہے، ٹھیک سے بات نہیں کرتا مجھ سے۔۔۔" اس نے ہمت کر کے کہنا شروع کیا۔

دو جملوں کے بعد اسے سب کچھ بھول گیا۔ جو یاد تھا اسے۔ وہ ڈاکٹر سبط علی کو نہیں بتا سکتی تھی کہ اس نے اتنے دنوں میں اس کی یا اس کے کپڑوں کی تعریف نہیں کی۔۔۔ اس کے ساتھ سحری نہیں کی۔۔۔ افطاری نہیں کی۔۔۔ آفس سے دیر سے آتا ہے۔۔۔ صبح اس کو بتائے بغیر گھر سے چلا جاتا ہے۔۔۔ اسے اتنے دنوں سے فرقان کے گھر کا کھانا کھلا رہا ہے۔۔۔ اور اسے شادی کے دوسرے دن سعیدہ اماں کے پاس چھوڑ گیا۔ ڈاکٹر سبط علی نے اس کی دونوں شکایات پر غور کیے بغیر اس سے کہا۔

"اس نے آپ سے کسی اور شادی کا ذکر کیا ہے؟"

وہ چند لمحوں کے لیے ہونٹ کاٹتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ اس نے سعیدہ اماں سے جھوٹ بولا ہے اور یہی وہ جھوٹ تھا جس نے سعیدہ اماں کو اس قدر ناراض کر رکھا تھا۔

"نہیں، سعیدہ اماں کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہو گی۔ ایسا تو کچھ نہیں ہے۔" اس نے سرخ چہرے کے ساتھ تردید کی۔ دوسری طرف فون پر ڈاکٹر سبط علی نے بے اختیار سکون کا سانس لیا۔

"آپ کو پرسوں سعیدہ اماں کے پاس کیوں چھوڑ گیا؟"

انہوں نے دوسرے الزام کے بارے میں کوئی تبصرہ کیے بغیر کہا۔

"جب آپ دونوں ہمارے گھر پر تھے، تب تو آپ کا وہاں ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ راستے میں آپ لوگوں کا کوئی جھگڑا ہوا؟" انہوں نے اپنے آخری جملے سے امامہ کو جیسے بنا بنایا جواب دیا۔

"جی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ۔۔۔" ڈاکٹر سبط علی بات کرتے کرتے رک گئے۔ وہ سالار کے جس رویے کی منظر کشی کر رہی تھی، وہ ان کے لیے نیا تھا۔

"خیر، میں ڈرائیور کو بھیجتا ہوں، آپ میری طرف آجائیں۔ سالار کو بھی افطار پر بلوا لیتے ہیں، پھر میں اس سے بات کرلوں گا۔"

امامہ نے بے اختیار آنکھیں بند کیں۔ اس وقت یہی ایک چیز تھی جو وہ نہیں چاہتی تھی۔

"وہ آج کل بہت دیر سے آفس سے آرہا ہے۔ کل رات بھی نو بجے آیا، شاید آج نہ آسکے۔" اس نے کمزور سی آواز میں کہا۔

"میں فون کرکے پوچھ لیتا ہوں اس سے۔" ڈاکٹر سبط علی نے کہا۔

"جی۔" اس نے بمشکل کہا۔ وہ ان کے کہنے پر آنکھیں بند کرکے کسی سے بھی شادی کرنے پر تیار ہو گیا تھا، وہ افطار کی دعوت پر نہ آنے کے لیے کس مصروفیت کو جواز بناتا؟

وہ جانتی تھی کہ ڈاکٹر سبط علی کو کیا جواب ملنے والا ہے۔ فون بند کرکے وہ بے اختیار اپنے ناخن کاٹنے لگی۔ یہ درست تھا کہ اسے سالار سے شکایتیں تھیں، لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ شادی کے چوتھے ہی دن اس طرح کی کوئی بات ہوتی۔

"ہیلو! سویٹ ہارٹ۔" پانچ منٹ بعد اس نے اپنے سیل پر سالار کی چہکتی ہوئی آواز سنی اور اس کے ضمیر نے اسے بری طرح ملامت کیا۔

"بندہ اٹھتا ہے تو کوئی میسج ہی کر دیتا ہے۔ فون کرلیتا ہے۔ یہ تو نہیں کہ اٹھتے ہی میکے جانے کی تیاری شروع کر دے۔" وہ بے تکلفی سے حالات کی نوعیت کا اندازہ لگائے بغیر اسے چھیڑ رہا تھا۔

امامہ کے احساس جرم میں مزید اضافہ ہوا۔ ڈاکٹر سبط علی نے یقیناً اس سے فی الحال کوئی بات کیے بغیر اسے افطار پر بلایا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب ابھی افطار کے بارے میں کہہ رہے تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ میں آج آفس سے جلدی آجاؤں گا اور تمہیں اپنے ساتھ لے آؤں گا۔" وہ اسے بتا رہا تھا۔

امامہ کو یک دم کچھ امید بندھی۔ وہ اگر پہلے گھر آجاتا تو وہ اس سے کچھ بات کرلیتی، کچھ معذرت کرکے اسے ڈاکٹر صاحب کے گھر متوقع صورت حال کے بارے میں آگاہ کرسکتی تھی۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ہاں، یہ ہو سکتا تھا۔

"لیکن اگر تم جانا چاہو تو میں تمہیں بھجوا دیتا ہوں۔" سالار نے اگلے ہی جملے میں اسے آفر کی۔

"نہیں... نہیں میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔" امامہ نے بے اختیار کہا۔

"اوکے... میں پھر انہیں بتا دیتا ہوں... اور تم کیا کر رہی ہو؟"

اس کا دل چاہا، وہ اس سے کہے کہ وہ اس گڑھے سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہے جو اس نے سالار کے لیے کھودا تھا۔

"فرقان کی ملازمہ آئے گی آج صفائی کرنے کے لیے، عام طور پر تو وہ صبح میرے جانے کے بعد آکر صفائی کرتی ہے لیکن تم اس وقت سو رہی ہوتی ہو، تو میں نے اسے فی الحال اس وقت آنے سے منع کیا ہے۔ تم بھابھی کو کال کرکے بتا دینا کہ وہ اسے کب بھیجیں۔"

وہ شاید اس وقت آفس میں فارغ تھا، اس لیے لمبی بات کر رہا تھا۔

"کچھ تو بولو یار... اتنی چپ کیوں ہو؟"

"نہیں... وہ... میں... ایسے ہی۔" وہ اس کے سوال پر بے اختیار گڑبڑائی۔ "تم فری ہو اس وقت؟" اس نے بے

حد محتاط لہجے میں پوچھا۔
اگر وہ فارغ تھا تو وہ ابھی اس سے بات کر سکتی تھی۔
"ہاں، ایویلیوایشن ٹیم چلی گئی ہے..... کم از کم آج کا دن تو ہم سب بہت ریلیکسڈ ہیں۔ اچھے کمنٹس دے کر گئے ہیں وہ لوگ۔" وہ بڑے مطمئن انداز میں اسے بتا رہا تھا۔
وہ اس کی باتوں پر غور کیے بغیر اس ادھیڑبن میں لگی ہوئی تھی کہ بات کیسے شروع کرے۔
"آج اگر ڈاکٹر صاحب انوائیٹ نہ کرتے تو میں سوچ رہا تھا رات کو کہیں باہر کھانا کھاتے۔ فورٹریس میں انڈسٹریل ایگزیبیشن لگی ہوئی ہے۔ وہاں چلتے۔ بلکہ یہ کریں گے کہ ان کے گھر سے ڈنر کے بعد فورٹریس چلے جائیں گے۔"
چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کا محاورہ آج پہلی بار امامہ کی سمجھ میں آیا تھا۔ یہ محاورتاً نہیں کہا گیا تھا۔ واقعی بعض سچویشنز میں چلو بھر پانی بھی ڈبونے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ وہ بات شروع کرنے کے جتن کر رہی تھی اور یہ کیسے کرے، یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
"ٹھیک ہے، پھر میں ذرا ڈاکٹر صاحب کو بتا دوں۔ وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔" اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتی، سالار نے بات ختم کرتے ہوئے کال بند کر دی۔ وہ فون ہاتھ میں پکڑے بیٹھی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ تقریباً چار بجے گھر آیا تھا اور وہ اس وقت تک یہ طے کر چکی تھی کہ اسے اس سے کس طرح بات کرنی ہے۔ سالار اوپر نہیں آیا تھا۔ اس نے فون پر اسے نیچے آنے کے لیے کہا۔ وہ جب گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر بیٹھی تو اس نے مسکرا کر سر کے اشارے سے اس کا استقبال کیا۔ وہ فون پر اپنے آفس کے کسی آدمی سے بات کر رہا تھا۔
ہینڈز فری کان سے لگائے ڈاکٹر سبط علی کے گھر کی طرف ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ مسلسل اسی کال میں مصروف رہا۔ امامہ کی جیسے جان پر بن آئی تھی۔ اگر وہ سارے راستے بات کرتا رہتا تو..... ایک سگنل پر رکنے پر اس نے سالار کا کندھا تھپتھپایا اور بے حد خفگی کے عالم میں اسے کال ختم کرنے کا اشارہ کیا۔ نتیجہ فوری طور پر آیا۔ چند منٹ مزید بات کرنے کے بعد سالار نے کال ختم کر دی۔
"سوری..... ایک کلائنٹ کو کوئی پرابلم ہو رہا تھا۔" اس نے کال ختم کرنے کے بعد کہا۔
"اسلام آباد چلو گی؟" اس کے اگلے جملے نے امامہ کے ہوش اڑا دیے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)